قومی ترانے اور نظمیں

مؤلفہ و مترجمہ

محمد اجمل خان

شورش کاشمیری پرنٹر و پبلشر نے مرکنٹائل پریس لاہور میں چھپوا کر مکتبہ احرار لاہور سے شائع کیا

فہرست عنوانات

پیش لفظ

جناب پروفیسر سید مقصود علی۔ ڈی۔ آئی۔ سی (لنڈن)

قوموں کی زندگی، اپنے ساتھ ساتھ ایک فلسفہ بناتی رہتی ہے۔ یہ فلسفہ اُن کے عمل کا دوسرا نام ہوتا ہے۔ خیال کی گہرائی اور عمل کا پختہ پن ہمیشہ قوموں کے آرٹ اور لٹریچر سے نمایاں ہوتا رہتا ہے۔ اور ان کا بہترین عملی پہلو اُن کے قومی ترانوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لیے جناب مؤلف نے قومی ترانوں کو جمع کر کے ہندوستانی زبان کا جامہ پہنادیا ہے۔ تاکہ ہمارے ملک کے شاعر ادھر متوجہ ہوں۔ اور ایسا ترانہ تصنیف کریں جو ہندوستان کے شایانِ شان ہو۔ اور جو جگہ اب تک خالی ہے۔ وہ بھر جائے۔

اس مجموعے کے اکثر ترانوں کو تقریباً اسی بحر میں نظم کیا گیا ہے، جن میں وہ اصل زبانوں میں ہیں۔ نظم اور ترجمے کی ان حد بندیوں کے باوجود، جس خوبی سے جناب محمد اجمل خاں صاحب نے اس مشکل کو حل کیا ہے، اس کے لئے وہ قابلِ صد ستائش ہیں۔

الٰہ آباد

۱۲۔ مارچ ۱۹۴۵ء

سید مقصود علی

قومی ترانے

۱۹۳۵ء کا زمانہ تھا، اور میں شانتی نکیتن (بنگال) کی لائبریری میں چند مسئلوں کی تحقیقات میں مصروف تھا۔ کچھ فاصلے پر موسیقی اور رقص کی تعلیم گاہ تھی۔ اور گانے والوں کی پُرکیف تانیں فضا میں پھیل کر عجب سماں باندھا کرتی تھیں۔

ٹیگور نے شاعری، موسیقی اور مصوری میں ہندوستان کے بلند ترین پہلوؤں کو یورپ کے آرٹ سے وابستہ کر دیا تھا۔ اور نئی شاعری ایک جان دار اور زندہ چیز بن گئی تھی، موسیقی نے ہندوستان کے کلاسیکل انداز کو چھوڑا نہیں تھا لیکن وہ جن جسد نبایوں میں گرفتار تھی۔ اس کو توڑ چکی تھی۔ اور قدامت پرستی (کنسرویٹزم) کے جمود و سکون کو دور کر کے، ایک عالمگیر نرمی و روانی پیدا کر رہی تھی، اسی طرح مصوّر کا مُو قلم بھی انسان کے لطیف جذبات کو شاعرانہ حقیقت پرستی کی طرف لا رہا تھا، اور تصویر کے پردے میں مصنوعی نہیں حقیقی جذبات کے رنگ و روغن کو اُبھار رہا تھا۔ شاید اسی لئے "وشوا بھارتی" اپنی عالمگیریت کے لحاظ سے اب بھی ہندوستان کے آرٹ اور لٹریچر کا بہترین مرکز ہے۔ اور مختلف قوموں اور مُلکوں کے دل و دماغ اس گاؤں میں جمع ہو کر انسان کی تخلیقی کوششوں کو نمایاں کر رہے ہیں۔

اس نغمۂ و رنگ کے ماحول میں، مجھے خیال پیدا ہوا کہ اگر کسی ملک کی شاعری اور فلسفے کی حقیقی جھلک دیکھنا ہو تو وہ اُن کے قومی ترانوں سے بہتر کہیں نہیں مل سکتی۔ اس چھوٹی سی بستی کا ہر کام موسیقی سے شروع ہوتا تھا۔ اور جیسی ملی جلی، ہمہ گیر عبادت ہوتی تھی، اس میں بھی ہر چہار شنبہ کو لڑکے لڑکیاں مل جُل کر "اُس ذات" کے بھجن گاتے تھے، جو ٹیگور اور اُن کی جماعت والوں کے نزدیک غیر متشخص (Impersonal) ہے۔

ے بنام اوکہ او نامے ندارد

وہاں سب سے پہلے "بندے ماترم" کے گیت کو سپردِ قلم کیا گیا۔ چونکہ انگریزی تسلط کے بعد بنگال نے سب سے پہلے غلامی کا مزہ چکھا تھا۔ اسی لیئے وہاں کے ایک شاعر بنکم چندر نے یہ گیت لکھا، جو بچے بچے کی زبان پر رواں ہو گیا۔ اسی زمانے میں ایک گیت "آمار دیش" یعنی "ہمارا وطن" بھی بہت مشہور ہو گیا تھا لیکن اس قسم کے سب گیت حکومت کو پسند نہ تھے اور وہ انھیں غیر قانونی قرار دے دیتی تھی۔ پھر بھی لوگ علانیہ پڑھتے تھے اور قید و بند کی مصیبتیں اُٹھاتے تھے۔ یہ ترانہ اس مجموعے میں شامل ہے۔ اور چونکہ یہ ہندستانی زبان میں نہیں ہے، اس لئے عام لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے۔ محض تیاگ اور بلیدان [illegible] کی یاد میں اب تک کانگرس کی کاروائی اس سے شروع ہوتی ہے۔ فرقہ پرور سرکار پرست مسلمانوں کو اس گانے سے نفرت ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ نفرت پیدا کرائی گئی ہے۔ اور وہ لوگ اگرچہ ہر قومی کام اور قومی مجلس سے دُور بھاگتے ہیں لیکن پھر بھی یہ حالت ہے، جو لوگ اس طرح کے ترانے اپنی مجلسوں میں پڑھتے ہیں، وہاں بھی نہ پڑھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے آقاؤں کو یہ ترانہ پسند نہیں لہٰذا ہم کسی ایسی جماعت میں شریک نہیں ہو سکتے جو آزادی پسند ہو۔

مشہور شاعر سر محمد اقبال نے بھی پہلے ایک ترانہ مسلمانوں کے لئے لکھا تھا جس میں انہوں نے بتایا تھا کہ مسلمانوں کا کوئی خاص وطن نہیں، بلکہ کل دُنیا اُن کا وطن ہے وہ ہیں اسلامی خیال تھا۔ اس کے بعد اُنہوں نے ایک نظم قومی نقطہ نظر سے لکھی اور اس میں صرف ہندوستان کی تعریف کی - یہ بھی اس مجموعے میں شامل ہے اسکے علاوہ مولانا حسرت اور پنڈت چکبست نے ہندوستانی زبان میں جو نظمیں لکھی ہیں وہ زبان کی پاکیزگی و صفائی اور خیال کی بلندی اور گہرائی کے لحاظ سے بہت اونچا درجہ رکھتی ہیں۔

اسی سلسلے میں رابندرناتھ ٹیگور کی ایک پانچ بند کی نظم "جن گن من" کے نام سے بہت مشہور ہے۔ یہ خالص اور آسان بنگالی زبان میں ہے۔ شاعری کی نزاکتیں اسکے ترجمے میں بھی دل کو لبھاتی ہیں یہ ہندوستان کے فلسفۂ وحدت وجود (ویدانت) کے ساتھ ساتھ امید کی کرنوں سے منور ہو رہے ہیں اور اب "بندے ماترم" سے زیادہ مشہور اور ہر دلعزیز ہو گئی ہے۔

"آزاد ہند فوج" ۱۹۴۲ء کی جنگ میں ہندوستان سے باہر تیار ہوئی تھی، اس فوج میں زیادہ حصّہ ہندوستانیوں کا تھا۔ اور ہندوستان سے باہر خود بخود یہ مسئلہ طے ہو گیا تھا کہ خواہ ہندوستان کے کسی حصّے کا رہنے والا ہو، اور اس کی کوئی بھی زبان ہو، لیکن وہ ہندوستانی زبان بولنے پر مجبور رہے - اسی لئے ٹیگور کی نظم کے خیالات کو ہندوستانی زبان میں منتقل کیا گیا اور آزاد ہند فوج کے قدرتی شاعروں نے اسے اپنے سیدھے سادھے لفظوں میں نظم کر ڈالا۔ یہ نظم بھی ہندوستان میں بہت چل نکلی ہے اور قومی جلسوں میں پڑھی جاتی ہے۔ کسی قدر اصلاح کے بعد یہاں درج کیجاتی ہے۔

یہاں میں ایک اور چیز ضمناً لکھے دیتا ہوں کہ آزاد ہند فوج نے نہ صرف ہندوستان کی زبان کا مسئلہ حل کر دیا ہے، بلکہ اس کے رسم خط (لکھاوٹ) کا معاملہ بھی طے کر دیا ہے اور وہ لوگ اپنی جملہ لکھائی اور چھپائی لیٹن خط میں کرتے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ بین صوبجاتی (انٹرپراونشل) کاموں کے لئے بہت جلد ہندوستانی زبان اور لیٹن خط ہندوستان میں چل جائے گا۔

ایشیائی ترانوں میں چین کا ترانہ بہت مختصر ہے۔ اور چونکہ یہاں دو پارٹیاں اپنا اپنا راگ الگ الاپتی ہیں۔ اس لئے دونوں کے ترانے لکھ دئے گئے ہیں

انڈونیشیا (جاوا وغیرہ) کا ترانہ بہت لمبا ہے۔ اس ترانے کو مسٹر سوبرانو نے شانتی نکیتن میں اپنے ترجمے کے ساتھ مجھے دیا تھا۔ اُسکے چند بند یہاں لکھے جاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اب تک یہ ملک پورے طور پر غلامی کے بندھنوں کو نہیں توڑ سکا اور اس سے زیادہ افسوس اس کا ہے کہ ہندوستان کی مرضی کے خلاف ہندوستانی فوج اس آزاد ملک میں ڈچ امپیریلزم کا آلہ کار بنائی گئی۔

دُوسرے قومی ترانوں کے سلسلے میں ہر ترانے کے ساتھ کچھ نہ کچھ لکھ دیا گیا ہے لیکن اس بات کا فیصلہ کہ کونسا ترانہ اچھا ہے۔ اور کونسا اچھا نہیں ہے۔ خود پڑھنے والوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ البتہ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے۔ کہ سوائے نئی قوموں کے جتنی پرانی قومیں ہیں سب کے ترانے جنگ اور خونریزی کی پیداوار ہیں۔ جس طرح اُن کے جھنڈے اُن کی خونخواری کو ظاہر کرتے ہیں اسی طرح اُنکے ترانے بھی ایک دوسرے کو کھا جانے کی دعوت دیتے ہیں کسی کو شیر بننا پسند ہے، کسی کو ریچھ، کوئی عقاب کی بلند پروازی اور خون آشامی چاہتا ہے کوئی گِدھ اور بھیڑیے کی ہلاکت آفرینی البتہ

جو قومیں ان خونی داستانوں کو سنتے سنتے تھک گئی ہیں اور منھ پھوڑے ویرانی پھیلی بکھرے بال، یا چرخے سے اپنے قومی رجحان کو ظاہر کرنا چاہتی ہیں، یا سورج، چاند اور تاروں کی بلندی میں سکون قلب وجان تلاش کرتی ہیں۔ لیکن ابتک کوئی ایسی قوم پیدا نہیں ہوئی جس کا جھنڈا بے رنگ ہو، اور اگر نقش ونگار ضروری ہیں تو اس پر محبت کی دیوی تصویر ہو اور خاک وطن کے بدلے انسانیت کے نام پر ہر ملک یہ کہنے پر تیار ہو کہ

جان تم پر نثار کرتا ہوں ۔۔۔ میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

فرانس کے ترانے "مارسائی" کے علاوہ شاید کوئی گیت ایسا نہیں ہے۔ جو ہندوستان کے آخری تاجدار ابوظفر بہادر شاہ کی طرح، دل سے نکلا ہو، اور دل پر چوٹ لگاتا ہو۔ یہ ہندوستان کا مرثیہ بھی ہے، اس کی عظمت اور بہار کا قصیدہ بھی، اسی لئے ہولی کی طرز میں لکھا گیا ہے۔

ہندوستان کا مرثیہ جو قومی ترانہ بن گیا تھا

اکبر کے زمانے میں جو ہندوستان کی متحدہ قومیت کی بنیاد پڑی تھی، وہ اگر ترقی کرتی رہتی، تو آج ہندوستان کل دنیا کی قوموں میں بہت اونچی جگہ پر ہوتا۔ پھر بھی امام ولی اللہؒ کے انقلابی پروگرام اور خواجگان چشت کے وسیع المشرب تصوف نے ہندوستان سے ذات پات کو مٹا کر ہندو سوسائٹی میں کبیر، نانک اور دادو جیسے بزرگ پیدا کر دئے تھے۔ جو خسرو، خانخاناں اور محمد جائسی کی طرح۔ ہندو مسلمانوں میں مقبول تھے اور بات کے راستے میں مذہب وملت کی دیوار حائل نہ تھی۔

ہندوستان کی یکجہتی پر جب یورپ کی مفلس قوموں نے چھاپا مارا، اور بغاوت ۱۸۵۷ء نے اپنے مٹتے ہوئے نقوش کو پھر چمکانے کی کوشش کی، تو دنیا کو معلوم ہو گیا۔ کہ ہندو مسلمان، سکھ، پارسی سب اس ٹمٹماتے ہوئے چراغ پر پروانوں کی طرح جانیں دے رہے تھے جس کا نام سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ تھا۔ انگریز کمپنی کا پنشنخوار، ہندوستان کی امیدوں کا مرکز اور اس بدقسمت ملک کا آخری نشان تھا، جو مٹا دیا گیا، اور اپنے ساتھ ہر وہ چیز لے گیا جو ہماری مجبوریوں سے کہانیوں اور گیتوں کی شکل میں باقی رہ گئی ہیں، اور چند دنوں میں وہ بھی مٹ جائیں گی۔ پھر مؤرخ نمودار ہوگا اور دشمنوں کے جمع کئے ہوئے افسانوں کو ہماری پھوٹ اور نفاق کی داستان بنا دے گا۔

ابوظفر بہادر شاہ اونچے درجے کے شاعر تھے۔ ان کے سامنے اردو، ہندی ہندوستانی کا مسئلہ نہ تھا، راج دھانی کی جو بولی تھی وہی بولتے تھے اور اسی میں شعر کہتے تھے۔ دلّی کی زبان ہندوستان کے لئے سندر تھی اور گاؤں کی بولی بھی اپنے رس سے دلوں کو موہ لیتی تھی۔ اس میں وسعت تھی، اس میں گہرائی، اس میں علم تھا سیاست تھی، سوشل چمک دمک تھی، اس میں فطری بھولا پن تھا، پریم کی لہریں تھیں اور سادگی ہی اس کا سنگار تھا۔ ظفر دونوں زبانوں کے بادشاہ تھے۔ اور دلی "نہیں ہندوستان" لٹ جانے کے بعد، جب وہ قید خانے کی گھڑیاں کاٹ رہے تھے۔ تو اُن کے دُکھی دل سے جو پکار نکلی تھی، وہ بندی خانے کی دیوار پر کوئلے سے لکھ گئے تھے۔ لوگوں نے اس ہندوستان کے قومی مرثیے کو، قومی ترانہ بنا لیا تھا، اور گلی گلی کوچے کوچے بہار کا موسم خزاں کا روپ دکھانے لگا تھا

"ساون بھادوں" کا جنوبی حصہ قید خانے کا کام دیتا تھا۔ دیوان خاص میں

عدالت بنی ہوئی تھی، بہادر شاہ، ستر برس کے بوڑھے بہادر شاہ، ہاتھ میں تسبیح لب پہ خدا کا نام اور دل میں ہندوستان کا درد لئے ہوئے روزانہ "عدالت" میں آتے تھے۔ اور باوقار خاموشی کے ساتھ اس تماشے میں مجبوراً شریک ہو جاتے تھے صرف ایک دفعہ بولے تھے۔ اور وہ یہ کہ "بادشاہ تو میں ہوں، میں اس عدالت کو کس طرح تسلیم کر سکتا ہوں!"

"ساون بھادوں" کی دیوار پر یہ ہولی لکھی ہوئی ملی تھی"۔

(۱) ہند میں کیسو پھاگ مچوری — جورا جوری
ہند کا تختا گلشن بنا تھا۔ — کیسر کی سی کیاری
کرم ہی ندھ نی کے جو نکسے — لٹ گئی باگ بہاری
ہند میں کیسو پھاگ مچو رے ....

(۲) گولن کے کمکمے بنائے، توپن کی پچکاری
سینے کھائے۔ دی لکھ ماری
ایسی ہولی کھلائی، شور دنیا میں مچوری
ہند میں کیسو پھاگ مچوری

(افسوس ہے کہ اس ہولی کے دو بند قوال کو یاد نہیں رہے)

ایک موقع پر ظفر نے ایک غزل کہی تھی جس کا مطلع ہے ۔

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا غبار ہوں،
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں،

اِسی غزل کا شعر ہے ۔

مرا وقت مجھ سے بچھڑ گیا، مرا رنگ رُوپ بگڑ گیا،
جو چمن خزاں سے اُجڑ گیا، میں اُسی کی فصلِ بہار ہُوں

غالباً اسی خزاں کی مناسبت سے یہ ہولی لکھی گئی تھی، ورنہ کہاں ہولی اور بہار اور کہاں ایک اُجڑے چمن کا سوگوار جو اسی غزل میں کہہ گیا ہے کہ ؎
میں بڑے بروگ کی ہوں صدا، میں بڑے دُکھی کی پکار ہُوں

ہندی کے اس گیت کے علاوہ ظفر کی بہت سی غزلوں میں ایک غزل خاص طور پر بغاوت کے بعد ہندوستان کا قومی ترانہ بن گئی تھی، وہ بھی شاید "دُکھی کی پکار" ہی کہی جا سکتی ہے۔ اور اس قابل ہے کہ یہاں درج کر دی جائے:۔

دُکھی کی پُکار

(از ابو ظفر بہادر شاہ)

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دِل کو میرے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں، مرا غم سے سینہ فگار ہے
یہ رعایا ہند تبہ ہُوئی، کہو کیسی اُن پہ جفا ہُوئی،
جسے دیکھا حاکم وقت نے، کہا یہ تو قابل دار ہے،
نہ تھا شہر دہلی یہ تھا چمن، جہاں سب طرح کی تھی انجمن
اسے جا کے دیکھو تو اب ذرا، فقط ایک اُجڑا دیار ہے

(۱۹۳۹ یاد نہیں: ہوئے قتل لاکھوں ہی بے گنہ کے کلمہ گویوں کی طرف سے ابھی دل میں انکے غبار ہے)

مقطع یہ ہے ؎

تجھے اے ظفرؔ بھلا کس کا ڈر، تو خدا کے فضل پہ رکھ نظر
تجھے ہے وسیلہ رسول کا، وہی تیرا حامیٔ کار ہے

(ظفرؔ کے مطبوعہ کلام میں یہ غزل تلاش کرنے پر نہیں ملی۔ نولکشوری نسخہ سامنے تھا۔ چند شعر جو یاد تھے درج کر دئے گئے پوری غزل مل جانے پر آئندہ ایڈیشن میں درج کر دی جائے گی)

محمد اجمل خاں
الہ آباد۔ ۱۲ مارچ ۱۹۴۵ء

(۱) ایشیائی
قومی ترانے

بندے ماترم

(از بنکم چندر چیٹرجی)

یہ ترانہ بنگال کے مشہور انشاپرداز بنکم چندر چیٹرجی نے ایک ناول کے سلسلے میں لکھا تھا
یہ وہ زمانہ تھا جب بنگال میں ہندو مسلم منافرت کافی حد تک بڑھ گئی تھی اور اس ناول کا مقصد
بظاہر مسلمانان بنگال کے اقتدار کے خلاف جدوجہد تھا لیکن درحقیقت بنکم چندر نے اپنے ہم
مذہب ہندوؤں کو اس ناول کے پیرائے میں برٹش حکومت کے خلاف ابھارنا چاہا تھا اسی
لئے بنگال کی انقلابی جماعت نے اس ترانے کو اپنا قومی ترانہ بنا لیا تھا۔ اور حکومت نے
بھی پوری طرح محسوس کر لیا تھا کہ انقلابی پارٹی اس ترانے کے ذریعے سے لوگوں کو وطن
پرستی کے لئے تیار کر رہی ہے۔ اسی لئے اس کا پڑھنا قانوناً جرم قرار دے دیا گیا تھا لیکن جن لوگوں
میں وطنیت کا جذبہ تھا وہ اسے علانیہ پڑھتے تھے اور سزا بھگتتے تھے اور کبھی حب وطن کے ترانے پڑھتے
ہوئے سولی کے تختے پر چڑھ چکے تھے۔

لیکن جب ۱۹۲۱ء کے بعد مسلمان بھی قومی تحریک میں شریک ہو گئے تو سرکاری گورنمنٹ
نے [illegible] پیدا کی کہ اس ترانے کا مقصد مسلمانوں کو مٹانا ہے اور اس میں جو [illegible]
اور ساتھ [illegible] ماں کو بچانے کے لئے زور [illegible] ماں کالی ماتا
[illegible] یہ قطعی غلط ہے۔

"ماں" سے مراد مادر وطن ہے اور اس زمانے میں ہندوستان کی مردم شماری ہی

تیس کروڑ تھی، جس میں ہندو و مسلم عیسائی سب شامل تھے۔ بہرحال کانگریس نے اس اعتراض کو دور کر دیا ہے اور یہ بند ترانے سے نکال دیا گیا ہے۔ پھر بھی مسلمانوں کی ایک جماعت قوم پرستی اور اس ترانے سے بھاگتی ہے۔

بندے ماترم۔ (ہندستان)

(از بنکم چندر چیٹرجی)

اسوجلام سوپھلام ملیج شی تلام
شسے شیام لام ماترم

۲۔ شبھر جیوتسنام پُلکت یامی نیم
پھُل کُسمِت دروم دل شوبھی نیم
سوہاسی نیم سومدھوربا بھاسی نیم
سُکھدام ورَدام ماترم

۳۔ تبرنش کوٹی کل کنٹھ تبادکرالے
دروئی ترنشاکوٹی بھجئر دھرت کھر قروالے
کے بولے ماں تمی اَبلے ؟
بھوبھل دھارنیم نماحی تارنیم
رپودل وارنیم ماترم

بندے ماترم

بندے ماترم کا ترجمہ

(وفا راشدی)

بندۂ مادرم ۔ بندۂ مادرم!

میری نظر کا نور ہے صورتِ مادرِ وطن
دِل کا مرے سرُور ہے عظمتِ مادرِ وطن

بندۂ مادرم ، بندۂ مادرم!

اس کی ہوا میں تازگی اس کے چمن بہشت ہیں
اس کی فضا میں زندگی دشت و دمن بہشت ہیں

بندۂ مادرم ، بندۂ مادرم!

دامنِ کوہسار کے چشمے حیات بخش ہیں
نزہتِ لالہ زار کے جلوے حیات بخش ہیں

بندۂ مادرم ، بندۂ مادرم!

مادرِ ہند کا جمال روکشِ حوریاں رہا
مادرِ ہند کا جلال مرجعِ نوریاں رہا

بندۂ مادرم ، بندۂ مادرم!

قلب میں اس کے لاکلام شفقتِ مادری بھی ہے

چہرے پہ ہاں پئے سلام عظمتِ مادری بھی ہے

بندۂ مادرم ، بندۂ مادرم!

اس کی عزیز خاک سے پیکرِ با صفا اُٹھے

یعنی اِس ارضِ پاک سے خلق کے نما اُٹھے

بندۂ مادرم، بندۂ مادرم!

اِس کے جوان تند خو ثابت و صف شکن رہے

اس کے بلان جنگ جو گردِ فلک شکن رہے

بندۂ مادرم، بندۂ مادرم

وطن ہے میرے لئے اور میں وطن کے لئے

(از سید الاحرار مولانا حسرت موہانی)

چمن ہے گل کے لئے اور گل چمن کے لئے
وطن ہے میرے لئے اور میں وطن کے لئے

کہاں وہ عہد گزشتہ! کہاں وہ لطفِ چمن!
تڑپ رہا ہوں اسی لذتِ کہن کے لئے!

ہم آؤ رشتۂ الفت کو استوار کریں
یہ تفرقے ہیں فقط شیخ و برہمن کے لئے

یہی ہے ایک مرے دل کی آرزو حسرتؔ
جیوں وطن کے لئے اور مروں وطن کے لئے

ہمارا وطن ، دِل سے پیارا وطن

(پنڈت برج نرائن چکبست)

یہ ہندوستاں ہے ہمارا وطن   محبت کی آنکھوں کا تارا وطن

ہمارا وطن، دِل سے پیارا وطن

وہ اسکے درختوں کی تیاریاں   وہ پھل پھول پودے وہ پھلواریاں

ہمارا وطن دِل سے پیارا وطن

ہوا میں درختوں کا وہ جھومنا   وہ پتوں کا پھولوں کے منہ چومنا

ہمارا وطن، دِل سے پیارا وطن

وہ ساون میں کالی گھٹا کی بہار   وہ برسات کی ہلکی ہلکی پھوار

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ باغوں میں کوئل وہ جنگل کے مور   وہ گنگا کی لہریں وہ جمنا کا زور

ہمارا وطن دِل سے پیارا وطن

اسی سے ہے اس زندگی کی بہار   وطن کی محبت ہو یا ماں کا پیار

ہمارا وطن دِل سے پیارا وطن

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

(علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم)

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا — ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں — سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا — وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں — گلشن ہے جن کے دم سے رشک جہاں ہمارا

اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہیں یاد تجھ کو — اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا — ہندی ہیں ہم وطن ہیں ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے — اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری — صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

آزاد ہند فوج کا ترانہ

۱۔ شبھ سکھ چین کی برکھا برسا ۔ اے ہندوستاں کے داتا
ہندوستاں کی قسمت چمکا ۔ راجاؤں کے راجا
پنجاب سندھ گجرات مراٹھا ۔ دراوڑ اُتکل بنگا
چنچل ساگر، وندھ ہمالہ ۔ جمنا ہو کہ گنگا
سب تیرے گن گاتے ہیں
تجھ سے رحمت پاتے ہیں
جے ہو جے ہو تیری فتح ہو ۔ اے ہندستاں کے داتا

۲۔ ہندو بدھ سکھ جین پارسی ۔ مسلم اور عیسائی
تیرے تخت کے آگے جھک کر ۔ ماں جائے ہیں بھائی
سب کے دل میں پریت بسا کر ۔ تیری میٹھی بانی
پریم کی لڑیاں گوندھ رہی ہے ۔ آزادی کی رانی
اندھیر مٹانے والے
فریادیں سننے والے
جے ہو جے ہو تیری فتح ہو ۔ اے ہندستاں کے داتا

لو صبح ہوئی اور پنکھ پکھیرو　　تیرے گُن گاتے ہیں،
ہلکے جھونکے نئی زندگی کا　　من میں رس لاتے ہیں
سورج بن کر جگ پر چمکے　　ہندوستاں ہمارا،
سب مل کر جے ہند پکاریں　　ہند آزاد کا نعرہ
جے ہو جے ہو تیری فتح ہو　　کل دُنیا کے آقا
قسمت کو جگانے والے
یہ بیڑا پار لگا دے
جے ہو جے ہو تیری فتح ہو　　اے ہندوستاں کے دانا

آزاد ہند فوج کا مارچنگ سانگ

دہلی چلیں

دہلی چلیں ، دہلی چلیں ، دہلی چلیں گے
اے ہندی جواں ، ہندی جواں ، دہلی چلیں گے
مذہب کے جتنے جھگڑے تھے وہ سارے مٹ گئے
سب ایک قوم بن گئے میدان میں ڈٹ گئے
آزادی کا ہم نعرہ لگا ، آگے بڑھیں گے
ٹھیرے نہ کوئی سامنے ، ہم ایسا چلیں گے
دشمن کو اپنے خوب سا پہچان لیا ہے ،
پیروں کے تلے روندتے ہم اُن کو چلیں گے
طوقِ غلامی توڑ ہند آزاد کریں گے ،
گر موت سر پہ آ گئی تو بھی نہ ڈریں گے ،
کندن زمانہ دیکھے گا ہم ایسا چلیں گے ،
جھنڈا ترنگا قوم کا لہراتے چلیں گے ،

دہلی چلیں ، دہلی چلیں ، دہلی چلیں گے

جن گن من ادھی نائک جے ہے

(از رابندر ناتھ ٹیگور)

۱- جن من گن ادھی نائک جے ہے   بھارت بھاگ ودھاتا
پنجاب، سندھ، گجرات مراٹھا   دراوڑ اُتکل بنگا،
بندھیا ہماچل جمنا گنگا،   اُچھل جلدھی ترنگا
تب سبھ نامے جاگے تب سبھ   اسیس مانگے گاہے تب جے گاتھا
جن گن منگل دایک جے ہے   بھارت بھاگ ودھاتا
جے ہے، جے ہے، جے ہے،   جے جے جے جے ہے،

۲- (نوٹ) یہ بند اصل بنگالی میں نہیں لکھا گیا۔ ترجمہ دے دیا گیا ہے۔

ترجمہ

اے وہ "ذات" خدا جو دلوں پر حکمراں ہے

(از رابندر ناتھ ٹھاکر)

۱۔اے وہ ذات (یعنی خدا) جو سب کے دلوں پہ حکمراں ہے۔ تو ہی ہندوستان کی قسمت جگانے والا ہے۔ تیرا نام پنجاب، سندھ، گجرات، مرہٹہ، دراوڑ، اڑلیسہ اور بنگال کے دلوں کو گرماتا ہے۔ بندھیاچل اور ہمالیہ میں تیرا ہی نام گونجتا ہے۔ گنگا، جمنا اور سمندر کی لہروں میں تیری ہی تانیں رچی ہوئی ہیں۔ وہ تیری رحمت کے طلبگار ہیں۔ وہ تیرے گن گاتے ہیں ہر ایک تیرے ہی بچانے سے بچ سکتا ہے۔ اے ہندوستان کی قسمت کو اُجاگر کرنے والے۔ جے ہو، جے ہو، تیری سدا جے ہو، تیری فتح ہو، تیرا بول بالا ہو۔

۲۔رات ہو یا دن، مسلسل تیری آواز ایک ملک سے دوسرے ملک کو جارہی ہے اور ہندو، بدھ، سکھ، جین، پارسی، مسلمان، اور عیسائی کو اپنے تخت کی طرف بلاتی ہے۔ پورب پچھم مل کر تیرے گن گاتے ہیں اور محبت کا ہار گوندھتے ہیں۔
تو سب کے دلوں کو زندگی کی لڑی میں پرو دیتا ہے، اے ہندوستان کی قسمت جگانے والے!

---

۳ — تپنا بھوڈے بندھو را نپتھا ، یُگ یُگ دھاوِت جتری
تمی چیر اسارتھی تب رتھ چکرے ، مکھر پتھ پتھ دن راتری
دارُن وِپلو ماجھے تب شنکھا دھونی باجے سنکٹو دکھو ترا نا ،
جن گن پتھا پرچیچ پایک ، جے ہے بھارت بھاگ بدھاتا
جے ہے جے ہے جے ہے جے جے جے جے ہے ،

---

۴ — دچوتھا بند بھی اصل بنگالی میں نہیں لکھا گیا ، لیکن ترجمہ سامنے دیدیا گیا ہے۔

---

۵ — راتری پربھاتِ لو اُدلو روی چھبی پوروا اُدیا گری بھالے
گاہے بہنگم پنّ سمیرن نوجیون رس ڈھالے
تبو ادرو نارُن راگ منی ندرِتا بھارت جاگ تب چرن نتو ماتھا
جے ہے جے ہے جے راجیشور بھارت بھاگ بدھاتا
جے ہے جے ہے جے ہے جے جے جے جے ہے۔

۳۔ قوموں کے گرنے اور ابھرنے سے راستہ ناہموار ہو گیا ہے، پھر بھی اس پر جاتریوں کے کارواں چلے جا رہے ہیں۔ اس سڑک پر تیری رتھ کے پہیوں کی آواز گونج رہی ہے، اے ہمیشہ کے (ازلی) رتھبان! تیرا بگل انقلاب کے بھیانک دنوں میں گونج رہا ہے، اور دُکھ دور کرنے کی صدا دیتا ہے۔ تیری انگلی ہر شخص کو رستہ دکھا رہی ہے، اے ہندوستان کی قسمت جگانے والے! جے ہو، جے ہو، تیری فتح ہو، تیرا بول بالا ہو!

۴۔ اندھیاری گہری تھی، رات بھیانک اور ڈراؤنی تھی،
میرا ملک موت کی سی بیہوشی میں پڑا ہوا تھا،
لیکن ماں کی باہیں اُسے چمٹائے ہوئے تھیں، اور تیری آنکھیں اُسکے دُکھیارے چہرے کو برابر تک رہی تھیں، جس چہرے میں ڈراؤنے خوابوں کی جھلک تھی!
تو ہی دُکھیاروں کی پکار سُننے والا ہے، تو ہی ہندوستان کی قسمت جگانے والا ہے
تیری فتح ہو، جے ہو، بول بالا ہو۔

۵۔ رات ڈھل گئی، سورج کی کرنیں پوربی پہاڑیوں پر جھلک دکھانے لگیں۔
چڑیاں چہچہانے لگیں، صبح کی نرم ہوا نئی زندگی کا رس ڈھالنے لگی۔
تیری رحمت کی کرنوں نے جاگتی ہوئی زمین کو چمکا دیا،
اے راجاؤں کے راجا تیری جے ہو، تو ہی ہندوستان کی قسمت جگانے والا ہے۔
جے جے، فتح فتح تیری فتح ہو، تیرا بول بالا ہو،

چھن یُن لین شی۔

(جمہوریہ چین)

چھن یُن لین شی　　چو مین مین شی
زسے یوئی کوانگ وا　　تن فو تن شی

(نوٹ) یہ چین کا نہایت پرانا گانا ہے، جسے موجودہ ریپبلک نے اپنا قومی ترانہ بنا لیا ہے

ترجمہ

اے خوش نصیب بادلو　　اے دل فریب بادلو
دکھلاؤ اپنی شان کو　　پھیلاؤ آن بان کو
اے سورج آسمان کے　　اور چاند آن بان کے
بناؤ تم سدا ہمیں　　دلوں کو روشن اور حسین

CHUNG KUO KUOMINTANG

چینی نیشنلسٹ پارٹی

یہ نام سرکاری طور پر ۱۹۴۲ء میں استعمال ہوا - اور اس پارٹی پر پانچ دور گزرے

I. HSING CKUNG HUI (1894-1905)

یہ انجمن ترقی چین ۱۸۹۴ء میں جنگ چین و جاپان کے زمانے میں پیدا ہوئی - اس کا بانی ڈاکٹر سن یٹ سن تھا - یہ جزائر ہوائی میں بنی تھی اور صرف بیس ممبر تھے -

2. CHUNG KUO KE MINGTUNG MING HUI.

چینی انقلابی ملاپ

(1905 - 1912)

یورپ و جاپان میں تعلیم یافتہ نوجوانوں نے برسلز ۱۹۰۵ء میں بلجیم میں یہ انقلابی جماعت بنائی - اس میں تیس سے زیادہ نوجوانوں نے انقلاب کا بیڑا اٹھایا - پھر برلن اور پیرس کے نئے ممبر شریک ہوئے - اور ٹوکیو میں یہ سوسائٹی زیادہ مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہو گئی - اور ڈاکٹر سن [illegible] بنے

3. KUOMINTANG. (191[illegible] - 19[illegible])

جب یہ پارٹی [illegible] ختم ہو چکا تھا - اور ایک قسم کی جمہوری حکومت بن چکی تھی - "ملاپ" پارٹی [illegible] پہنچتی یا نمائندہ اسمبلی سے قومی معاملات طے ہوں اور "ملاپ" جو ایک انقلابی پارٹی تھی - ایک سیاسی پارٹی بنا دی گئی اور اس کا نام کومن ٹانگ ہو گیا -

4. CHUNG HUI KE MING TANG

چینی انقلابی سوسائٹی

(1914 — 1920)

جب (یوان شہ۔کئی) نے غیر آئینی طور پر پارلیمنٹ کو ختم کر کے اپنی بادشاہی کی فکر شروع کی، تو ڈاکٹر سن نے چینی انقلابی سوسائٹی بنائی۔ اس لئے کہ کومن ٹانگ صرف سیاسی پارٹی تھی اور اس پر انقلاب کا بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔ ٹوکیو میں جتنے سچے انقلابی کومن ٹانگ پارٹی کے تھے سب اس میں شریک ہو گئے اور شہ کئی کا دور جلد ختم ہو گیا اور پھر جمہوریہ قائم ہو گئی۔

چینی نیشنلسٹ پارٹی

5. CHUNG KUO KUOMINGONG

1920.

۱۹۲۰ء میں ایک پارٹی کی عام کانفرنس شنگھائی میں بلائی گئی۔ اور پھر ایک کمیٹی نے پارٹی کا آئین بنایا اور ایک مکمل مینوفسٹو (اعلان) نکالا جنوری ۱۹۲۴ء میں پہلی نیشنل کانگریس کینٹن میں بیٹھی تھی، آئین پاس کیا گیا۔ اور پہلی نیشنل کانگریس کا اعلان بھی جاری کیا گیا اس میں پرانے بکھیڑوں کو مٹا کر نئی اور جوان ہمت سوسائٹی بنانے کا عہد تھا اور اسی میں عوام کے تین اصول (سان مین چیو آئی) کو قومی آزادی کا لنگر مان لیا گیا۔

مسٹر طے چیت آو پریزیڈنٹ امتحانات یوآن کی تجویز پر کومنٹانگ پارٹی کا ترانہ بطور قومی ترانے کے استعمال کیا جاتا ہے۔ ۸ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کو یہ تجویز سنٹرل اگزیکٹو کمیٹی کی مجلس عاملہ نے منظور کی۔ اس ترانے کے الفاظ وہی ہیں، جو ڈاکٹر سن یات سن نے ۱۹۲۴ء میں وھم پوا فوجی مدرسے کے سامنے کہے تھے۔
ایک سو تئیس آدمی نے اسے الگ الگ نظم کیا۔ ان میں سے مسٹر چنگ موچن کی نظم ۱۹۲۹ء جنوری کو پسند کی گئی۔

"سان من چھو آئی"

(کومن ٹانگ پارٹی چین کا ترانہ)

پہلا بند

"سان من چھو آئی"۔ مقصد پارٹی کا اپنی ہے
یعنی پھر تعمیر جمہوری - کریں ہم چین میں
اور انٹرنیشنل بن جائے یہ برادری،

دُوسرا بند

یارو بڑھو - یارو بڑھو
تم ہو ہراول قوم کے
پہرہ نہ چھوڑو تم کبھی
پابند اصولوں کے رہو

تیسرا بند

محنت کرو ہمّت کرو
سچے بنو پکّے رہو
مل کر چلو یک دل بنو
مقصد تلک بڑھتے رہو

کی می گا آ - یو او وا

(جاپان)

(۱) کی می گا آ - یو او وا،
چی یو نی ای یا چی یو نی

---

(۲) سا فا رے، ای شی نو، ای وا ہو نو، نا ری تے
کو کے نو، مو او سو او ما آ دے

رہے قائم وطن اپنا، ہمیشہ سے وہ جیسا تھا
رہے اس وقت تک قائم، ہمارا ملک یہ پیارا
کہ جب تک ان چٹانوں پر، ہوں کنکر رات دن پیدا

اِندونیشیارایہ - (انڈونیشیا)

اندونیشیاتانہ اسے آر کو
تانہ تومپہ دورا کو
وِسنالاہ کیتا بر دیری
مینجگا پنجی ای بو کو
اندونیشیا کے بنگسا آن کو
مری لاکیتا بر سیرو
اِندونیشیا برسا تو
ہی دوپلہ تانہ کو، ہی دوپلہ نگری کو
جیوا کو رایت کو، سے موان یا
بنگوں لہ رایت ایا بنگوں لہ کادن یا
اوں توک اندونیشیا رایہ
اندونیشیا رایہ۔ مردیکا مردیکا
تانہ کو، نگری کو، ینگ کو چنتا
اندونیشیا رایہ۔ مردیکا۔ مردیکا
ہی دوپلہ اندونیشیا رایہ

ترجمہ۔ انڈونیشیا رایہ (انڈونیشیا)

انڈونیشیا ہمارا باپ وطن (پدر وطن) ہے،
یہ ہماری پیاری ماں ہے، جسے ہم چاہتے ہیں
ہم سب یہاں ہیں زندہ، ہم سب یہاں ہیں رہتے
اور اپنی محبت بھری آنکھوں سے اُس کو ہیں تکتے
انڈونیشیا ہماری قومیت ہے
ہاں ہماری جان اور آبرو ہے
آؤ فتح کا پیارا گانا گائیں
انڈونیشیا رایہ کا حلقہ بنائیں۔
شاندار انڈونیشیا۔ شاندار انڈونیشیا
اے ہماری قوم، ہمارے ملک، اور ہمارے سب کچھ
تیری عزت اور شان کا گانا ہم گاتے ہیں
تیری خوبصورتی کو ہم یاد کرتے ہیں
تیری آزادی اور بڑائی کے لئے ہم گاتے ہیں
کورس :- انڈونیشیا، انڈونیشیا۔ شاندار ملک شاندار ملک
اے ہماری جان۔ اے ہمارے وطن۔ انڈونیشیا
شاندار انڈونیشیا رایہ۔

انڈونیشیا یا جزائر شرق الہند

جاوا، سماترا اور دوسرے جزائر جو ہندوستان کے مشرق میں واقع ہیں تین چار سو سال سے یورپین استعمار (سامراج) کا شکار رہیں اور انتہائی پستی تک پہنچا دیئے گئے ہیں۔ پھر بھی اُن کے دلی جوش اور دماغی قوت میں کمی نہیں ہوئی اور اب آزادی کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں ان کی آبادی سات کروڑ سے زیادہ ہے ملک نہایت زرخیز ہے اور ہندوستان سے آدھا ہے ان میں سات لاکھ عرب اور ایک لاکھ چالیس ہزار جاپانی جنگ سے پہلے موجود تھے۔ اور چینیوں کی بھی کافی تعداد تھی۔ جنگ سے پہلے ان لوگوں کو جاپانیوں سے سخت نفرت تھی اور اب بھی ہے۔ عربوں کو بھی یہ لوگ سود خور قوم جانتے ہیں اور نفرت کرتے ہیں اور ڈچ قوم تو ان کی پشتینی دشمن ہے۔

ان لوگوں کو اگر غصہ نہ دلایا جائے تو بہت مسکین اور نیک رہتے ہیں محنت کرنے کی عادت نہیں رکھتے۔ ۷۵ فیصدی کھیتی کرتے ہیں، ان کا قد چھوٹا، چپٹی ناک اور جوانی میں خوبصورت ہوتے ہیں، مذہب اسلام ہے۔ چند جنگلی اور برہمنی مذہب بھی رکھتے ہیں، زبان ملائی اور کاوی ہے۔ خط عربی اور لیٹن ہے۔

نشید التاج ۔ مصر کا شاہی ترانہ

از حضرت صاحب العزت استاد عبداللہ عفیفی بک

عَاشَ رَبُّ التَّاجِ وَالعَرْشِ المَجِید　　سَیِّدُ النُّبْلِ، المَلِیکُ المُفتَدَاے

عَاشَ حَامِی مِصْرَ رَاعِیْھَا الرَّشِید　　بَدْرُھَا الوَضَّاحُ، فَارُوقُ الھُدَاے

قَائِدُ الْاَبْطَالِ　　حَارِسُ الوَادِیْ

مُشْرِقُ الْاٰمَالِ　　نُورُہُ الھَادِیْ

مَوْئِلُ البِلَادِ　　مَقْصَدُ العِبَادِ

عَاشَ فِی رَشَادِ　　دَامَ فِی سَدَادِ

یَامَلِیکِی! اَنْتَ لِلّٰہِ نِبَا مَلِیک　　اَنْتَ مَحْیَا، وَالبَرَایَا نَفْتَدِیک

جَلَّ مَنْ اَعْلٰی رَجَاءَ النِّیلِ فِیک　　کُلُّ حُرٍّ مِنْ بَنِیہِ یَفْتَدِیک

عَھْدُنَا عَلٰی الوَلَاءِ　　ثَابِتٌ عَلٰی الزَّمَن

ھَاتِفِینَ بِالنِّدَاءِ　　عَاشَ فَارُوقُ الوَطَن

فَلْیَدُمْ لَنَا ھُدَاہُ　　فَلْیَدُمْ لَنَا سَنَاہُ

کُلُّ مِصْرِیٍّ دُعَاہُ　　لِلْمَلِیکِ بِالحَیَاہُ

(مُدِیرُ المُوسِیقَات)

ترجمہ

شاہی ترانہ مصر

مالک تاج و تخت زندہ باد سید النیل، شاہ زندہ باد
حامی مصر و راعی زندہ باد شاہ فاروق، ماہ، زندہ باد
دلبروں کے رہبر نگہبانِ وادی
اُمیدوں کے منبع اندھیرے کے ہادی
ہو شہروں کے مولا ہو بندوں کے داتا
جیو تم ہمیشہ صحیح و توانا
تو ہمارا شاہ ہے اے بادشاہ تجھ پہ صدقے جان و دل اے مصر ماہ!
نیل کی امید کا تو جلوہ گاہ کیوں نہ ہوں تجھ پر فدا ہم واہ واہ!
یہ سب پر ہے ثابت وفادار ہیں ہم
تیری زندگی کے طلب گار ہیں ہم
رہے مصر پر تیری دائم سیادت
رہے شاہ فاروق زندہ سلامت

النشید القومی المصری

مصر کا قومی ترانہ

نظم الاستاد محمود محمد صادق موسیقی عبدالحمید عبدالرحمان لوزباشی

بلادی! بلادی فداک دمی　　　وھبت حیاتی فدی فاسلمی

غرامک اول ما فی الفؤاد　　　ونجواک آخر ما فی فمی

سأھتف باسمک ما قد حییت

نعیش بلادی ویحیی الملیک　　　(ویحیی الوطن)

حیاتک یا مصر فوق الحیاۃ　　　وصوتک یا مصر وحی الالہ

تعالیت یا مصر من موطن　　　علی الدھر نبقی ونفنی عداد

سأھتف باسمک ما قد حییت

نعیش بلادی ویحیی الملیک　　　(ویحیی الوطن)

أیا مصر ھذا لواء الھرم　　　علی النیل یخفق منذ القدم

تمر علیہ جیوش الزمان　　　نحیی اللواء نحیی العلم

سأھتف باسمک ما قد حییت

نعیش بلادی ویحیی الملیک　　　(ویحیی الوطن)

لكَ الشّرقُ ألقى زمام القياد فنعم الزّعامة بين البلادِ
فيوماً حملتَ لِواءَ الفنونِ ويوماً حملت لِواء الجهادِ
سأهتف باسمِكَ ما قد حييتُ
نعيشُ بلادي ويحيى المليكُ (ويحيى الوطن)
يظلّك عرش المليك الكريم وترعاكَ عين العليّ العظيم
ألستَ الكِنانة في أرضهِ وموعود جنّته والنّعيم
سأهتف باسمِك ما قد حييتُ
تعيش بلادي ويحيى المليكُ (ويحيى الوطن)
بلادي بلادي إذا اليوم جاء ودوى النداء وحق الفداء
نحيي نتاك شهيد هواك وقولي سلاماً على الأوفياء
سأهتف باسمِك ما قد حييتُ
تعيش بلادي ويحيى المليكُ (ويحيى الوطن)

مِصر کے قومی ترانے کا ترجمہ

جان اے عزیز ملک ہے قربان تجھی پر — میں جان نذر کرتا ہوں اس کو قبول کر
ہے میرے دِل میں تیری محبت کا بس گذر — تیرے لئے دعائیں ہیں جاری زبان پر

جب تک ہوں زندہ لب پہ رہے گا ترا ہی نام
اے ملک زندہ باد رہے شاہ شاد کام

برتر میری حیات سے ہے زندگی تری — اے مصر ہے صدا تری آواز غیب کی
اے مصر اے وطن میرے ہو تجھ کو برتری — محفوظ دشمنوں سے رہے تیری زندگی

جب تک رہوں زندہ لب پہ رہے گا تیرا ہی نام
اے ملک زندہ باد رہے شاہ شاد کام،

اے مصر! قوم کا یہ علم ہے بزرگ تر — لہرا رہا ہے ایک زمانے سے نیل پر
اس پہ کئی زمانوں کے لشکر گئے گذر — زندہ رہے نشان ہمارا یہ کروفر

جب تک ۔ ہوں زندہ لب پہ رہے گا تیرا ہی نام
اے ملک زندہ باد رہے شاہ شاد کام

در اصل تیری ذات ہے مشرق کی رہنما — یہ رہنمائیاں ہیں تری کتنی دِلربا
تو نے کبھی فنون کا جھنڈا اُٹھا لیا — منظر کبھی جہاد کا سب کو دکھا دِیا

جب تک ہوں زندہ لب پہ رہے گا تیرا ہی نام
اے ملک زندہ باد رہے شاہ شاد کام

تجھ پر خدا کے عرش کا سایہ ہے مہرباں — بر زر خدا کی آنکھ ہوئی تیری پاسبان
کیا تیرے قبضہ میں ہے نہیں ترکش و کمان — جنت کا تجھ سے وعدہ کیا حق نے بیگمان

جب تک ہوں زندہ لب پہ رہے گا تیرا ہی نام
اے ملک زندہ باد رہے شاد کام

اے میرے ملک فدیہ کا جب وقت آئیگا — قربانیوں پہ سب کو تو تیار پائے گا
ہر نوجوان تیری محبت میں جائے گا — اُس پہ سلام سر کو جو پہلے کٹائے گا

جب تک ہوں زندہ لب پہ رہے گا تیرا ہی نام
اے ملک زندہ باد رہے شاد کام

سُرخ فوج کا مارچنگ ترانہ

(رُوس)

(از لارنس بن یون)

(در غزل برائے ستمبر ۱۹۱۴ء)

دوڑو یارو - دوڑو یارو

جنگی باجا بجتا ہے

ہتھیار سجا کر جسموں پر - آزادی کی ہم جنگ کریں

ہم کاٹ نکالیں گے رستہ - مزدور ہیں ہم مزدور ہیں ہم

اِک تھوڑی سی مزدوری ہی - کافی ہے ہمارے کھانے کو

یکجہتی اخوّت - آزادی - ہیں اپنی جنگی ترکیبیں،

تھے اب تک فاقے قسمت میں - زنجیرِ غلامی پہنے تھے

اور بھوکے فقیروں کی صورت - ہوتی تھی گزر کچھ ٹکڑوں پر

اب چمکا نور اندھیرے سے - آزادی کا تڑکا آیا

ہم جنگ کی جانب بڑھتے ہیں - گاتے ہیں گیت آزادی کا

میدان کی جانب جلد چلو

میدان کی جانب جلد چلو

اے آزادی کے متوالو - ہم کب شاہوں سے ڈرتے ہیں
کیا خوف ہو اُن کی طاقت کا جب ہم ہی اُن کے بازو ہیں
یہ توپ غبارے بندوقیں ہم نے ہی بنائی ہیں یارو،
ہم اپنی دھن کے پکے ہیں اب فتح وظفر ہم پائیں گے
ہم موت کو دعوت دیتے ہیں ہم طوق غلامی توڑیں گے

لو جنگ کرو آزادی کی

لو جنگ کرو آزادی کی

ہیں جب تک آنکھوں میں آنسو اور رکھالیں نوچی جانے کو
مُنہ میں ہے زباں جب تک اپنے ہم بولیں گے۔ چلائیں گے
ہم سخت مصیبت جھیلیں گے پر کوشش جاری رکھیں گے
ارمان دلی ہے یہ اپنا جن کا ہے لقب انساں یہاں
وہ دنیا میں آزاد رہیں نکلیں وہ ننگ غلامی سے
جینا ہے اگر آزاد جیو یہ زندگی موت سے بدتر ہے
کاٹیں گے مصیبت کی گھڑیاں اور خون بہائیں گے اپنا
ان لمبی راتوں کے پیچھے چمکے گی سحر آزادی کی،

ہاں جنگ کرو آزادی کی

بس جنگ کرو آزادی کی

دی انٹرنیشنال

مزدوروں کا سب قومی ترانہ

(نوٹ) جنگ سے پہلے یہ ترانہ روس کا قومی گانا تھا حقیقت میں یہ انٹرنیشنال یا سب قومی مزدوروں کی کمیونسٹ پارٹی کا گیت ہے۔ جسے بعد میں روسی قوم نے اپنا سرکاری ترانہ تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن دوران جنگ میں یہ ترانہ ترک کر دیا گیا اور "نیا ترانہ" تصنیف کر کے روس کی یکجہتی اور سٹالن کی سربراہی پر زور دیا گیا مزدوروں کے ترانے میں ترقی کرنے اور مذہب اور سرمایہ داری کو ختم کرنے پر زیادہ زور ہے، اور اب تک دنیا کے مزدوروں کا یہی ترانہ ہے۔

زمانے بھر میں تم ذلیل ہو گئے اُٹھو اُٹھو
دراز شب میں فاقہ کر کے سو گئے اُٹھو اُٹھو

مزدوروں کی جماعتوں میں عقل آ رہی ہے اب
وہی انھیں مراد کی طرف بڑھا رہی ہے اب

گذشتہ قوم کی کثافتوں کو دور پھینک دو
پکارتی ہے حریت۔ غلامو غور سے سنو

الٹ دو دہر کی دنیا۔ امیر سب غریب ہوں
جو سب سے پیچھے تھے انہیں بلند یاں نصیب ہوں

سنبھالو اپنے اسلحہ اٹھو اٹھو بڑھو بڑھو
کھڑے ہو جنگ کے لیئے اٹھو اٹھو بڑھو بڑھو

وہ اور ہیں جو دیوتاؤں کی خوشامدیں کریں،
جو شاہ اور قیصروں کی آڑ ڈھونڈتے پھریں

کریں گے اپنی آپ ہم مدد یہی خیال ہے
ہم اس کو کاٹ دیں گے جو غلامیوں کا جال ہے

جو ڈاکوؤں نے لے لیا ہے اس کو چھین لیں گے ہم
اب ان کو اس طرح کا ظلم کرنے ہی نہ دیں گے ہم

یہ سلطنت کا قاعدہ بھی ہے عجیب قسم کا،
ہزاروں ٹیکس چوستے ہیں خوں ہمارے جسم کا

ہے جملہ مہمل و فضول ۔ "فرض مالدار کا"۔
"حقوق مفلساں" بھی ایک قول ہے گنوار کا،

بہت سہیں مصیبتیں اب عیش کے دن آ گئے
مساویانہ زندگی کی روشنی کو پا گئے،

ملے گی سروری اگر تو فرض آ ہی جائے گا،
صلہ ہر ایک مفلسی کا اپنی پا ہی جائے گا،

جو ریل اور کانوں کے ہیں مایہ دار سربسر
یہ اُن کی شان و شوکتیں گھناؤنی ہیں کس قدر

بلا سے مفلسوں کا قافلہ اگر لٹا کرے!
ہماری محنتوں کا فائدہ، اُنھیں ہوا کرے!

ہمیں کو چاہیئے ملے ہماری محنتوں کا پھل
اگر ہم اس کو مانگیں تو مطالبہ ہے برمحل

بڑھو بڑھو بہادرو جفاکشو بڑھو بڑھو
کمانے والو روٹیاں ہر ایک روز کے بڑھو

نہ دیں گے مہلت اب ذرا لٹیرے ڈاکوؤں کو ہم
اب آؤ اُن کی زندگی کو خاک میں ملائیں ہم

یہ ہو رہے ہیں موٹے تازے خون چوس چوس کر
لبِ زرنگاری کر رہے ہیں لبس ہمارے گوشت پر

یہ مٹ گئے تو آفتاب اسی طرح سے چمکے گا
اثر نہ ہوگا اس پہ کچھ اُسی طرح سے دمکے گا

روس کا نیا قومی ترانہ

(نوٹ) لندن سے ۱۲ر دسمبر ۱۹۴۳ء کو خبر آئی ہے کہ ۲۰ر دسمبر کی رات کو ماسکو سے یہ اعلان ہوا ہے کہ قومی گیت "انٹرنیشنل" کی جگہ سوویٹ روس میں اب نیا گانا جاری ہوگا۔

ابھی چند دن ہوئے، تہران میں برٹش + مریکن اور روسی لیڈروں نے جنگی پالیسی کے متعلق نئی نئی باتیں سوچی ہیں۔ اسی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ روس نے انقلابی جماعت "کامن ٹرن" سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے اور پرانے عیسائی مذہب (آرتھوڈاکس چرچ) کی قدامت پرست (سناتنی) شاخ کو پھر زندہ کر دیا ہے۔

اس کے بعد ایک خاص بات یہ کی گئی ہے کہ مزدوروں اور غریبوں کے ترانے کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ "انٹرنیشنل (سب قومی) گیت" سب قوموں کے مزدوروں کا ترانہ ہے۔ دُنیا کے مزدور، ہر جگہ اسے گاتے ہیں۔ اس میں مارکس کے فلسفے (درشن) کی پوری جھلک موجود ہے۔ اول تو مارکس ایسی سوسائٹی بنانا چاہتا تھا جس میں مال دار اور مزدوروں کا جھگڑا باقی نہ رہے۔ اور سب اپنے ملک کی دولت سے برابر فائدہ حاصل کر سکیں، دُوسرے یہ کہ وہ مزدوروں میں، یہ جوش پیدا کرنا چاہتا تھا کہ وہ خود اپنا راستہ بنائیں، ترقی کریں، اور نہ قیصروں (بادشاہوں اور رئیسوں) کی مدد ڈھونڈیں، نہ پیغمبروں (عیسیٰ مسیح اور اُن کے ولیوں) کے مذہب کے نشے میں رہیں۔ عقل اور سائنس جو کچھ بتائے اُس پر عمل کریں، مرنے کے بعد زندگی اور نجات اور نجات دہندہ کا خیال چھوڑ

دیں۔ کل دنیا کے مزدور ایک ہو جائیں، تاکہ سرمایہ داری (پونجی وادی) کا خاتمہ ہو سکے اور قیصروں کا بیڑا غرق ہو جائے۔

لیکن نئے ترانے میں قیصروں اور دیوی دیوتاؤں کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا۔ اس میں عام لوگوں کا ذکر تو ہے۔ لیکن مزدوروں کا نام تک نہیں۔ دیوتاؤں کی جگہ غالباً لینن اور سٹالن کو دی گئی ہے۔ لینن کو "راستہ روشن کرنے والا" بنایا گیا ہے۔ اس نئے ترانے میں ایک روحانی شان پائی جاتی ہے سٹالن کو "پروردگار" (پرورش کرنے والا) کہا گیا ہے۔ گویا اس کو قیصروں کی طرح "ان داتا" مان لیا ہے

"ڈیلی ورکر" لندن کے کمیونسٹ اخبار کا خیال ہے کہ پرانا گانا انٹرنیشنل ہی برٹش کمیونسٹوں کا ترانہ بنا رہے گا اور یہی دنیا کے غریب اور پامال (دلت) مزدوروں میں زندگی پیدا کرتا رہے گا" امرت بازار پتر کا" کو خاص طور پر لندن سے خبر ملی ہے کہ جارج برنارڈ شاہ نے کہا ہے کہ "میں نہایت سچے دل سے چاہتا ہوں کہ ہم بھی سوویٹ روس کی مثال پر چلیں اور اپنے قومی ترانے کے دوسرے بند کو بدل دیں اس لئے کہ موجودہ بولوں پر بہت سے آدمیوں کو اعتراض ہے۔ بہت دن ہوئے میں نے نئے بول لکھے تھے۔ مگر وہ نہ چلے۔ چونکہ اب نئے سرے سے یہ بات سامنے آ گئی ہے اس لئے ممکن ہے کہ اب کوئی بہتر طریقہ اختیار کیا جا سکے مجھے انٹرنیشنل کے گانے کی طرز پسند نہ تھی، اور نہ کبھی مجھے یہ گمان ہوا تھا کہ یہ گانا اتنا پاک ہے کہ کوئی اسے چھو تک نہیں سکتا۔ بہر حال اس کی طرز کمیونسٹ پارٹی کی شان کے مطابق نہیں تھی"

اس تبدیلی کی وجہ سے یہ بحث دوسرے ملکوں میں بھی چھڑ گئی ہے کہ انہیں اپنے قومی ترانے کو بدلنا چاہیئے یا نہیں، بہر حال "ڈیلی ورکر" کا خیال صحیح نکلا اور برٹش کمیونسٹوں

نے نئے روسی گیت کو اختیار نہیں کیا ۔ وہ ہر موقع پر اپنا انٹرنیشنل ہی گاتے ہیں۔

روس میں روز بروز نت نئی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ لندن سے ۲ر فروری ۱۹۴۴ء کی خبر ہے کہ مارشل سٹالن نے روس کے مختلف صوبوں کو اندرونی طور پر بالکل آزاد کر دیا ہے۔ یہ سب سولہ ہیں۔ اب انھیں اختیار ہے کہ جس ملک سے چاہیں۔ اپنا رشتہ جوڑ لیں، اور سیاسی تعلق قائم کر لیں۔ انھیں یہ بھی حق مل گیا ہے کہ وہ اپنی اپنی فوج بھی بنا لیں۔ لیکن قومی ترانہ سب کا ایک ہی ہوگا۔

امید ہے کہ روس کی پیروی میں دوسرے سامراج بھی اپنے مقبوضات کو جلد آزادی دے دیں گے۔ اور خود اپنے ملکوں میں زبان اور کلچر کی بنا پر ریاستیں بنائیں گے، تاکہ جماعتی اور شخصی آزادی حاصل ہونے کے بعد انسانیت کا اصلی جوہر ابھر سکے، ابھر کر پھلے، پھلے پھولے، اور اس مقصد کو پا لینے کی کوشش کرے جو روحانیت اور مادیت کی کشمکش میں نظروں سے اوجھل ہو رہا ہے اور دیکھنے والوں کو اپنی تیزئی رفتار کی وجہ سے کسی ایک نکتے پر جمنے نہیں دیتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان پکار پکار کے اپنی بے بسی کا اظہار کرنے لگتا ہے:۔

دریاب کہ از روح جدا خواہی رفت | در پردۂ اسرار خدا خواہی رفت
مے خور کہ ندانی ز کجا آمدۂ | خوش باش ندانی کہ کجا خواہی رفت

رُوس کا نیا قومی ترانہ

(۱) سب صوبوں کو آزاد کیا۔ پر ایک ہیں سب، ہاں ایک ہیں سب
اب روس بڑا ہے۔ طاقت ور ہے۔ سب کو اس نے ایک کیا
ہاں زندہ ہو، ہاں زندہ ہو، سوویٹ یونین زندہ باد!
اپنی خوشی اور مرضی سے، جنتا نے روس بنایا ہے۔
یہ روس وطن ہے رُوسی کا، کس شان سے اب یہ بڑھتا ہے۔
جنتا کی خوشیوں کا ہے سہارا۔ روس ہمارا روس ہمارا
اُس کا جھنڈا گرمانا ہے، دِل جنتا کا، دِل جنتا کا۔
اس کے نیچے کام بنے گا، جیتیں گے، ہم پھر جیتیں گے

---

(۲) سورج آزادی کا نکلا،
لینن نے رستہ چمکایا
اِسٹالن نے ہم کو پالا،
جنتا کا ہے وہ رکھوالا
ہم میں پریم اور ہمت ڈالی
جنگ ہماری فوج کی ماں ہے

جنگ نے اس کو پیدا کیا ہے
چالاک لڑا کا دشمن کو
ہم مار بھگاتے ہیں دم میں
اور جنگ کے ذریعے آنے والی
نسلوں کی قسمت ہیں بناتے
لے جائیں اپنے مُلک کو ہم
عزّت کی طرف، شوکت کی طرف

ایران کا قومی ترانہ

رضا شاہ پہلوی کے زمانے میں ایران کا قومی ترانہ
اور اُس کی موسیقی بنی تھی ۔ وہ صرف دو شعر تھے
اور صرف ایران کی تعریف میں تھے معلوم نہیں اب
تو وہ پارٹی اور ایرانی حکومت نے کیا تبدیلی کی ہے ۔
شیر و خورشید یعنی شیر ایران اور پرانے
زردشتی مذہب کی یادگار سورج اب تک ان کا
قومی نشان ہے ۔

(۲)
قومی ترانے
یورپ و امریکہ

قومی ترانے

یورپ و امریکہ

نوجوان گویّا (آئرستان)

وہ نوجوان گویا — ہے جنگ میں صف آرا
گودی میں موت ہی کی — اب وہ تمھیں ملے گا
تلوار باپ کی لی — اپنا ستار باندھا
ہمت کے اس دھنی نے — پھر اس طرح الاپا
"اے ملک گیت والے — سن لے ہمارا کہنا
گو چھوڑ دے وفا کو — تیری تمام دنیا
تلوار میری لیکن — راتوں کو دے گی پہرا

چھوٹے گا میرا بربط
تیرے گنوں کا گانا"

(۲) اُف گر پڑا مغنّی — ہو معرکے میں زخمی
دشمن کی بندشوں سے — باہر ہے رُوح اسکی
چھیڑا نہ پھر کسی نے — اُسکے ستار کو بھی
بیکار کر دیئے خود — تار اور اس کی لکڑی
اور یُوں پکار اُٹھا — اے جاں بہادری کی
آلودہ کوئی قوت — کیا تجھ کو کر سکے گی
وہ تیرے نغمے وہ دھن — آزادوں کے لئے تھی
وہ دھن غلامیوں میں — ہرگز نہ پھر بجے گی،

برٹش نیشنل ترانہ

(برطانیہ)

خدا شاہ کو میرے رکھے سلامت
رہے زندہ وہ مدتوں باکرامت

ہمیشہ وہ غالب رہے دشمنوں پر — ہمیشہ رہے شان سے اور برتر
رہے شہ زنک سب کے سر پر وہ قائم — خوش اقبالیاں ساتھ ہیں اسکا دائم

خدا شاہ کو میرے رکھے سلامت
رہے زندہ وہ مُدّتوں باکرامت

اُٹھ اے سب کے مالک اُٹھ اے سب کے مولا — دکھا دشمنوں کو شہنشہ کے نیچا
سیاست کی چالوں کو پامال کردے — غرض دشمنوں کو تبہ حال کردے
خدایا تجھی پر ہے ہم کو بھروسا — تو ہی ہے مصیبت میں کام آنیوالا

خُدا شاہ کو میرے رکھے سلامت
رہے زندہ وہ مدتوں باکرامت

خدا اچھے انعام شہ کو عطا کر — وہ حاکم رہے مدّتوں خشک و تر پر
کرے وہ ہمیشہ حفاظت ہماری — رہے جس سے ہر دم زباں پر یہ جاری

خدا شاہ کو میرے رکھے سلامت
رہے زندہ وہ مدّتوں باکرامت

برطانیہ راج کئے جا!

(برطانیہ)

(۱) جب حکم سے خدا کے برطانیہ کی کشتی — نیلے سمندروں سے پہلے ہی پہل اُبھری
آزادئ وطن کا پروانہ لکھ رہے تھے — اور پاسباں فرشتے یہ راگ گا رہے تھے

برطانیہ حکومت کر کل سمندروں پہ
برطانوی نہ ہوں گے ہرگز غلام و مُضطر

(۲) جس قوم میں نہیں ہے تیری طرح سی برکت — پامال اُسے کریں گے دنیا میں ظلم والے
ہر بات میں رہے گی تو سب سے آگے آگے — وہ سب ڈریں گے تجھ سے اور دیکھ کر ڈریں گے

برطانیہ کئے جا موجوں پہ تو حکومت
برطانوی نہ ہوں گے ہرگز کسی کے بندھک

(۳) اُبھرے گی اور زیادہ تو شاندار ہو کر — ہونگے اگر کہیں سے تجھ پر شدید حملے
جس طرح تیز طوفاں بادل کو پھاڑتا ہے — لیکن بلوط کی جڑ ہوتی ہے زور آور

برطانیہ کئے جا موجوں پہ تو حکومت
برطانوی نہ ہوں گے ہرگز کسی کے بندھک

(۴) مغلوب کر سکیں گے ظالم کبھی نہ تجھ کو — جتنا بھی وہ بجھائیں بھڑکیں گے تیرے شعلے
نکلے گا یہ نتیجہ ہوں گے فنا وہ ظالم — اُنکی تباہیوں سے شہرت تیری بڑھے گی

برطانیہ کئے جا موجوں پہ تو حکومت
برطانوی نہ ہونگے ہرگز کسی کے بندھک

(۵) دیہات پر رہے گی قائم تیری حکومت ہوگی تجارتوں سے شہروں کو تیرے رونق
آزادیوں کو پاکر پھر لکشمی کی دیوی آئے گی ساحلوں پر تیرے وہ ناز کرتی
برطانیہ کئے جا موجوں پہ تو حکومت
برطانوی نہ ہوں گے ہرگز کسی کے بندھک

(۶) اے خوشنما جزیرے۔ اے تاجدار خوبی کرتے ہیں پاسبانی سب مثل شہر تیری
اور مہ جبین تیرے مشہور ہیں جہاں میں سب سورما حفاظت کرتے ہیں انکی مل کر
برطانیہ کئے جا موجوں پہ تو حکومت
برطانوی نہ ہوں گے ہرگز کسی کے بندھک

بلجیم کا قومی ترانہ

مارسا بیز کی طرح (برابان سون ترانہ) برابانت کے اُس پرانے خطّے سے تعلق رکھتا ہے جس میں شہر برسلز آباد ہے۔ اس کے اصل لفظ لوئی الگزنڈر دشے نے لکھے تھے، جو ایک فرانسیسی ایکٹر تھا اور اس وقت شہر برسلز میں موجود تھا۔ لیکن ۱۸۶۰ء میں شارل روژیے نے اس کو دوبارہ لکھا اور اب وہی جاری ہے۔

ہاں ختم ہو چکے اب وہ دن غلامیوں کے (بلجیم)

لابرابان سون - LA BRABANCONNE

از کیمپ پان ہاوٹ

CAMPANH IT

ہاں ختم ہو چکے اب وہ دن غلامیوں کے — مُردے بھی بلجیم کے قبروں سے جاگ اُٹھے
وہ اس لئے اُٹھے ہیں روشن ہو نام اُن کا — حاصل کریں دوبارہ اپنا وہ پاک جھنڈا
قبروں سے اُٹھنے والوں کی ہے یہ منت — آزاد بلجیم کو کر دے بصد شجاعت

جھنڈے پہ باپ دادوں کے فخر یہ ہو لکھا

ہے بادشاہ و آئین - آزادی کا پھریرا

(۲) اے مادرِ وطن تو کس ناز میں پلی ہے — دل کو تیرے محبت اک نور بخشتی ہے
تیرے لئے مرے جو ہرگز نہ وہ مرے گا — جب تک کہ تو ہے زندہ کیونکہ کوئی مرے گا
ہے یہ دعا العزت آباد ہو ہمیشہ .. — ملک اپنا ہر طرح پہ آزاد ہو ہمیشہ

ہر وقت لہرائے تیرا جھنڈا

ہے بادشاہ و قانون آزادی کا پھریرا

کدے دوموف موج - کہاں ہے میرا وطن؟

چیکوں کا قومی ترانہ

چیک اور سلاوک دو قومیں ہیں، اور دونوں کو ملا کر ایک قوم بنادی گئی ہے
چیکوں کا وطن بوہیمیا ہے۔ اور سلاوکون کا وطن سلافک ہے، جو اس سے
ملا ہوا ہے اسی لئے ان کے قومی ترانے کے دو بند ہیں، پہلا چیکوں سے
متعلق ہے اور دوسرا سلافک سے۔ چیک ترانہ ۱۸۳۴ء میں لکھا گیا تھا، اور
کچھ سلافکی طالب علموں نے سلافکی ترانہ ۱۸۴۴ء میں لکھا تھا۔ ان طالبعلموں
کو ہنگیاروں نے برانسلاوا کی یونیورسٹی سے اس لئے نکال دیا تھا کہ اُن
میں آزادی کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔

۱۹۱۸ء یورپ کی بڑی لڑائی کے بعد یہ سلطنت بنائی گئی، اور
چیکو سلاواکیہ ایک آزاد ملک قرار پایا، اس وقت یہ ترانہ قومی ترانہ
قرار پایا۔

CZECHOSLOVAKIA

میرا وطن کہاں ہے؟ (چیکوسلوواکیہ)

از یوسف کئےتان تِل

JOSEF KAJETAN TYL (1834)

میرا مکاں کہاں ہے — میرا وطن کہاں ہے؟
سرسبز وادیوں میں — نہریں جہاں رواں ہیں
ہموار پتھروں سے — چشمے اُبل رہے ہیں
جنّت کدے میں اپنے — کیا گُل کھلے ہوئے ہیں
میرا وطن وہی ہے، — پیاری زمیں وہی ہے

میرا وطن کہاں ہے — میرا مکاں کہاں ہے
وہ ملک جانتے ہو، — جو ہے خُدا کو پیارا
رہتی ہیں اچھی روحیں — مضبوط پیکروں میں
وہ ملک کون سا ہے — جس کو نگاہِ غیرت
دشمن کا سر کچل دے — توڑے غرور اس کا
یہ ملک بس وہی ہے — چیکوں کا جو وطن ہے
ہے یہ دعا ہماری — چیکوں میں عمر گُذرے

LA MARSEILLAISE

لا مارسائی ییز (فرانس)

MUSIC BY ROUGET DE LISLE

روژے دو لائل (۱۸۳۶-۱۷۶۰) اس ترانے کا مصنف ہے

یہ ترانہ ۱۷۹۲ء میں بنایا گیا ہے۔ اس کا بنانے والا ۱۰ مئی ۱۷۶۰ء کو پیدا ہوا تھا اور فوج میں انجینئر کی حیثیت سے بھرتی ہو کر کپتان کا عہدہ حاصل کیا تھا۔ ۱۷۹۲ء میں اس کی فوج سٹراس برگ میں تعینات تھی۔ وہاں یہ ترانہ ایک جوش کی حالت میں لکھا گیا تھا۔ فرانس کی قومی مجلس نے ۱۷۹۲ء میں آسٹریا اور پروشیا کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا۔ سٹراس بورگ میں میئر نے اس خوشی میں ایک دعوت دی اور اس میں روژے کو بھی بلایا گیا۔ جو موسیقی اور شاعری بھی جانتا تھا۔ ہاں میئر نے روژے سے کہا۔ کہ رائن کی فوج کے لئے ایک مارچنگ ترانہ بناؤ۔ روژے یہ سن کر اچھل پڑا اور اسی جوش کی حالت میں دیر تک مختلف پرزوں پر کچھ خیالات نظم کرتا رہا۔ اسے خیال آیا کہ میئر کے لڑکے نے ایک بچوں کی فوج بنائی ہے جس کا نام "آن فاں دو لا پاتری" تھا۔ یعنی "مادرِ وطن کے معصوم بچے" اسی طرح "یارانِ آئین کی سوسائٹی" SocieTe (Des Amis dela Constitution) نے ایک اعلان جاری کیا تھا۔ جو ان لفظوں سے شروع ہوتا تھا "شہریو، ہم وطنو، ہتھیار سنبھالو، جنگ کا جھنڈا لہرا رہا ہے" اور اس کے آخر میں تھا "مارچ کرو" ان ہی خیالوں میں ڈوب کر وہ بہت دیر تک کچھ لکھتا

رہا اور تھک کے سو گیا۔ صبح کو اُن پرزوں کو جمع کیا تو اچھا خاصا ترانہ تھا۔ میئر اُسے
دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

۱۰ راگست ۱۷۹۲ء کو فرانس کی فوج اس ترانے کو گاتی ہوئی تویلیئر کے محل پر
چڑھ گئی۔ مارسائی کے ایک اخبار میں یہ گانا چھپ چکا تھا اور پیرس تک اسی ترانے
کو گاتے ہوئے وہاں کی والنٹیر فوج نے مارچ کیا تھا۔ پیرس میں اس کا نام "مارسیلیز"
ہو گیا۔ پہلے اس کا پرانا نام "رھائن کی فوج کا جنگی ترانہ" تھا۔

اس کا مصنف معتدل جمہوریت پسند تھا، اسی لئے برخواست کر کے جیل بھیج دیا
گیا تھا۔ لیکن مخالف انقلاب سے اُسی آزادی دلا دی۔ اُس نے پچاس "فرانسیسی گیت"
۱۸۲۵ء میں چھاپے تھے۔ اُس نے ایک رسالہ "نظم و نثر" ۱۷۹۲ء میں لکھا تھا جس
میں مارسیلیز ترانہ شامل ہے۔

والمائی کی لڑائی کے بعد جنگی وزیر (جنرل کیلرمین) نے پرانے ترانے کی جگہ
اس کو جاری کر دیا۔ اور یہ فرانس کا قومی ترانہ بن گیا۔

یورپ کے قومی ترانوں میں جوش اور جنگی ولولہ پیدا کرنے میں اس ترانے کا
کوئی دوسرا ترانہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔

LA MARSEILLAISE

لا مارسائی یلیز (فرانس)

MUSIC BY ROUGET DE LISLE

روژے دو لائل (۱۸۳۶-۱۷۶۰) اس ترانے کا مصنف ہے

یہ ترانہ ۱۷۹۲ء میں بنایا گیا ہے۔ اس کا بنانے والا ۱۰ مئی ۱۷۶۰ء کو پیدا ہوا تھا اور فوج میں انجینیئر کی حیثیت سے بھرتی ہو کر کپتان کا عہدہ حاصل کیا تھا ۱۷۹۲ء میں اس کی فوج سٹراس برگ میں تعینات تھی۔ وہاں یہ ترانہ ایک جوش کی حالت میں لکھا گیا تھا۔ فرانس کی قومی مجلس نے ۱۷۹۲ء میں آسٹریا اور پروشیا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔ سٹراس بورگ میں میئر نے اس خوشی میں ایک دعوت دی اور اس میں روژے کو بھی بلایا گیا جو موسیقی اور شاعری بھی جانتا تھا۔ وہاں میئر نے روژے سے کہا۔ کہ رائن کی فوج کے لئے ایک مارچنگ ترانہ بناؤ۔ روژے یہ سن کر اچھل پڑا اور اسی جوش کی حالت میں دیر تک مختلف پردوں پر کچھ خیالات نظم کرتا رہا۔ اسے خیال آیا کہ میئر کے لڑکے نے ایک بچوں کی فوج بنائی ہے جس کا نام "آن فاں دو لا پاتری" تھا۔ یعنی "مادر وطن کے معصوم بچے" اسی طرح "یاران آئین کی سوسائٹی" SocieTe (des Amis de la constitution) نے ایک اعلان جاری کیا تھا جو ان لفظوں سے شروع ہوتا تھا "شہریو! ہم وطنو! ہتھیار سنبھالو! جنگ کا جھنڈا لہرا رہا ہے" اور اس کے آخر میں تھا "مارچ کرو" ان ہی خیالوں میں ڈوب کر وہ بہت دیر تک کچھ لکھتا

رہا اور تھک کے سو گیا، صبح کو اُن پرزوں کو جمع کیا تو اچھا خاصا ترانہ تھا۔ میئر اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

۱۰ اگست ۱۷۹۲ء کو فرانس کی فوج اس ترانے کو گاتی ہوئی تویلیری کے محل پر چڑھ گئی۔ مارسائی کے ایک اخبار میں یہ گانا چھپ چکا تھا اور پیرس تک اسی ترانے کو گاتے ہوئے وہاں کی والنیٹر فوج نے مارچ کیا تھا۔ پیرس میں اس کا نام "مارسیلز" ہو گیا۔ پہلے اس کا پرانا نام "رھائن کی فوج کا جنگی ترانہ" تھا۔

اس کا مصنف معتدل جمہوریت پسند تھا، اسی لئے برخواست کر کے جیل بھیج دیا گیا تھا۔ لیکن مخالف انقلاب سے اُسی آزادی دلا دی۔ اُس نے پچاس "فرانسیسی گیت" ۱۸۲۵ء میں چھاپے تھے۔ اُس نے ایک رسالہ "نظم و نثر" ۱۷۹۲ء میں لکھا تھا جس میں مارسیلز ترانہ شامل ہے۔

والمائی کی لڑائی کے بعد جنگی وزیر (جنرل کیلرمین) نے پرانے ترانے کی جگہ اس کو جاری کر دیا۔ اور یہ فرانس کا قومی ترانہ بن گیا۔

یورپ کے قومی ترانوں میں جوش اور جنگی ولولہ پیدا کرنے میں اس ترانے کا کوئی دوسرا ترانہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔

لا مارسائی (فرانس)

چلو قوم اور ملک کے پیارے بچو — کہ اب شان و عزت کا دن آگیا ہے!
ستم اور جفاؤں کا وہ خونی جھنڈا — ہمارے مقابل میں لہرا رہا ہے!
نہیں سن رہے ہو تم ہمارے وطن میں — عدو وحشیوں کی طرح پھر رہے ہیں؟
وہ بڑھکر ہماری بہو بیٹیوں کا — ہماری ہی گودوں میں سر کاٹ لینگے!

سنبھالو تو ہتھیار اے فرانس والو — کرو اپنی ترتیب جنگی کو قائم
بڑھو اور دشمن کے ناپاک خوں سے — زمیں ساری دنیا کی سیراب کردو
بڑے چل بسیں گے، تو ہم جان و دل سے — لڑائی کی صف میں جگہ اُنکی لیں گے
پھر اُس پاک مٹی کا پتلا بنا کر — شب و روز ہم اُس کی پوجا کریں گے
نہیں آرزو جینے کی بعد اُن کے — جہاں وہ گئے ہم بھی ساتھ انکا دینگے
ہم اب انتقام اُن کا لیکر ملیں گے — نہیں تو اُنھیں کی طرح مرمٹیں گے
یہ سن اے وطن کی مقدس محبت — فنا ہوتے ہیں تیری کرنوں سے ظالم
اے آزادی پیاری اے آزادی پیاری — غلامی میں جکڑا ہر اک تیرا بچہ
اب آواز آزادی کی سن رہا ہے — وہ آزادی کا دیکھو جھنڈا کھڑا ہے

فدائی ہیں صف بستہ سب اُسکے پیچھے ہیں تیار سر دینے کو جان و دل سے
ہمارے وطن پر چڑھا کرنے والے ہمیں کامیاب ایک دن دیکھ لینگے

سنبھالو تو ہتھیار، اے فرانس والو
کرو اپنی ترتیب جنگی کو قائم
کہ اب شان و عزت کا دن آگیا ہے

یونان

GREECE

یونان پر ترکوں کا قبضہ تھا اور یورپ کے صنعتی انقلاب نے ہر ایشیائی قوم کو کمزور کرنے کی ٹھان لی تھی۔ یہ اُنیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ تھا، اور بلقان کی چھوٹی سلطنتوں کو ترکی سامراج سے نکال کر، روس اور برطانیہ کا سامراج آگے بڑھ رہا تھا۔ لارڈ بائرن نے، جو انگلستان کا ایک مشہور شاعر اور مدبّر تھا یونان کی آزادی میں اپنے ملک کا فائدہ دیکھ کر، یونان کے مسئلہ کو کافی مدد دی تھی اور جب ۱۸۲۴ء میں یونان کے باغیوں نے آزادی کا پرچم لہرایا تو یہ ترانہ بنایا گیا۔

تجھ کو دنیا جانتی ہے تیزئ شمشیر سے

گریس (یونان)

تجھ کو دنیا جانتی ہے تیزئ شمشیر سے
کونہ کونہ ہے جہاں کا تیری آنکھوں کے تلے

ہڈیاں یونانیوں کی ہیں تیری تعمیر میں
بجلیاں بھر دی ہیں قدرت نے تیری شمشیر میں

بازؤوں میں تیرے پہلے کیطرح اب بھی ہے بل
آ کے لے پیر اسلام اے حوریا آزادی نکل

سرنگوں نادم ہمیشہ تو رہی اس ملک میں
سر جھکائے گویا تو ڈوبی ہوئی تھی شرم میں

منتظر اسکی تھی بیٹھی دے کوئی تجھ کو صدا
لے بلاتا ہے کوئی آواز اس کی سن ذرا

ایک مدت سے مجھے اس روز کا تھا انتظار
ہر طرف چھائی ہوئی تھی خامشی بے اختیار

اس لئے کہ ہر طرف ایک خوف تھا چھایا ہوا
ملک کا ہر ذرّہ تھا بند غلامی میں پھنسا

صرف گذری داستانوں سے تسلی تھی تیری
تیرے رونے کا سبب گذری ہوئی تاریخ تھی

تجھ کو آزادی پکارے منتظر اس دن کی تھی
مل رہی تھی ہاتھ اپنے آہ مایوسی تیری

دیوی آزادی کی تھی پابند اپنے ملک میں
سرنگوں مجبور اور ڈوبی ہوئی تھی شرم میں

ہر طرف تھی خوف کی تاریکیاں چھائی ہوئیں
تھی غلامی اور کلیاں دل کی کمہلائی ہوئیں

کچھ مزہ گذری ہوئی تاریخ میں پاتی تھی تو
رو کے دکھڑا کہتی اور سب کو رلا جاتی تھی تو

ہالینڈ کا ترانہ ولہلمس

یہ ترانہ ۱۵۶۸ء میں لکھا گیا۔ یہ یورپ کا سب سے پرانا ترانہ ہے، جو اب تک ہالینڈ میں جاری ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب ہسپانوی گورنر ڈیوک آف الوا، ہالینڈ پہ ظلم وزور کی بھرمار کر رہا تھا۔ اُس وقت سے یہ ترانہ ملک میں رائج ہے۔ اس زمانے میں شہزادہ آرنج (ولیم خاموش) کا خون معاف تھا۔ اور وولیڈر اگمنٹ اور ہورن برسرِعام قتل کر دئے گئے تھے۔ اسی لئے اس ترانے میں شہزادہ آرنج سے وفاداری کا عہد ہے۔

"WIL HEL MUS"

میں ولیم ناسووی ہوں (ہالینڈ)

میں ولیم ناسودی ہوں ۔ اور جرمن نسل سے پیدا ہوں
مرتے دم تک آخر دم تک ۔ پیارے وطن کا شیدا ہوں ۔
شہزادۂ آرنج ہوں میں ۔ اور دنیا والوں کیا ہوں میں ۔
شاہ اسپین کی عزت پر ۔ دل اور جان سے فدا ہوں میں
میرا سہارا میرا ایمان ۔ مالک مولا تو ہی ہے
چھوڑ نہ تنہائی میں مجھ کو ۔ میرا بھروسا تو ہی ہے
ہر دم تیرا بندہ ہوں میں ۔ اتنک نیکوکار ہوں میں
ظلم سرا سر دور ہو یا رب
اس سے سدا بیزار ہوں میں

اطالیہ کی شاہی مارچ

اس کا مصنف گیوسپ (یوسف) گیبیتی ۱۷۹۶ء میں ٹورن میں پیدا ہوا تھا۔ اور لامورا (پیڈمونٹ) میں ۱۸۶۲ء میں مرگیا۔
۱۸۳۱ء میں شاہ کارلو البرتو نے ایک مارچ کے تصنیف کرنے کا حکم دیا جو شاہی جلوس کے ساتھ بجائی جاتی تھی۔

یہ کام گبیتی کے سپرد کیا گیا، جو ایک رجمنٹ کا سردار بجیا تھا اُس نے دو مارچیں تصنیف کیں۔ جن میں سے بادشاہ نے اسے پسند کیا۔

فوجی ملازمت ختم کرنے کے بعد، گبیتی نے کوئی انعام یا وظیفہ نہیں قبول کیا اور شاہی تھئیٹر ٹورن میں بال ناچ کی نگرانی کرتا تھا

"MARCIA REALE"

شاہی مارچ

بادشاہا زندہ باد، زندہ و پائندہ باد

اٹلی کی تاریخ اُسکے نام کی عظمت میں ہے — اس کا مستقبل "سوائے" نام کی عزت میں ہے
ملک پر جب چھا گئی ہر سمت خطرے کی گھٹا — اُس نے اپنے بچّوں کو دامن میں فوراً لے لیا

بادشاہا زندہ باد، زندہ و پائندہ باد

شان اور اٹلی کی آزادی کی صورت تجھ سے ہے — آخر اب اٹلی خدا کا شکر ہے آزاد ہے
اٹلی اب اپنے سپوتوں کو نہ دیکھے گی غلام — ایک دم میں دشمنوں کو اپنے کردیگی تمام
جب کبھی کوئی نگاہِ بد سے دیکھے گا اُسے — شاہ کے سایہ میں رہ کر ہم لڑینگے شوق سے

بادشاہا زندہ باد۔ زندہ و پائندہ باد

نوجوان اطالیہ

یہ بھجن یا گیت مئی ۱۹۰۹ء میں ٹورن میں بنا۔ پہلے اُسے "کومیانو" کے نام سے پکارتے تھے۔ اور اُسے نینو آکسلاّ نے بنایا تھا۔ اس کی دھن یا موسیقی یوسف بلانک کی بنائی ہوئی ہے۔

۱۹۱۰ء میں ماسٹر بلانک نے، جو الپائن فوج میں ایک افسر تھا، اس گیت کو اپنے ساتھی سپاہیوں کو سنایا۔ اور چند دنوں میں یہ پوری فوج کا ترانہ بن گیا۔

۱۹۱۷ء کی لڑائی میں جو پہلی حملہ آور پارٹی بنی، اُس نے الپائن فوج کے اس ترانے میں کچھ کمی بیشی کر کے موجودہ ترانہ بنا لیا۔

۱۹۱۹ء میں یہ ترانہ فاسسٹ حلقوں میں پہنچ گیا، اور نوجوانی و فتح کا ترانہ بن گیا اور فاسسٹ پارٹی کے سرکاری ترانوں میں شریک کر لیا گیا اور اس کے لفظوں میں سلواتور گوتا نے اب کچھ ترمیم کر دی۔

نوجوان

(فاسسٹ پارٹی اطالیہ کا اصلی قومی ترانہ)

(۱) اے قوم من چلوں کی میرا اسلام تجھ پر — پیارے وطن ہمارے میرا اسلام تجھ پر
تیرے سپوت اب پھر پیدا ہوئے وطن میں — ہے اعتماد اُن کے ہر ریشۂ بدن میں
ہمت سپاہیوں کی اور لیڈروں کی پاکی — "ال گھیری" کا تصور ہے دل میں سب کے باقی

اے نوجواں اے نوجواں — مرکز ہے تو ہی حسن کا
تیرے عمل اور جوش نے — پتھر کو پانی کر دیا
گونج رہی ہے ساری دُنیا تیرے ساز کی تانوں سے

---

(۲) اے نوجوان بہادر میرا اسلام تجھ پر
اٹلی کی سرحدوں میں پھر زندگی ملی ہے
ایطالوی کو پھر سے تازہ حیات دی ہے
کس واسطے بنایا اُن کو مسولینی نے
کل کی لڑائیوں میں تا کھیل جائیں سر سے
مزدوری و مشقت سے ہو انہیں مسرت
ہو فخر اُن کو یا کہ امن و اماں کی راحت

پیارے وطن کے باغی جب اپنے مُنہ کو موڑیں
سر اُن کا یہ سپاہی فوراً کچل کے رکھ دیں
اے نوجوان بہادر میرا سلام تجھ پر

مزدور اور شاعر اٹلی کی ساری خلقت
سب کھا رہے ہیں قسمیں با صد ہزار عزّت
ہم ہیں مطیع دل سے پیارے مسولینی کے
کوئی نہیں وہ بستی فوج اپنی جو نہ بھیجے
اے نوجوان بہادر میرا سلام تجھ پر

ہمیں اپنے وطن سے پریم ہے چاہت ہے (ناروے)

اپنے وطن سے ہم کو ہے ایک خاص الفت ساحل پہ بحر کے جو آباد ہے بہ شوکت
دلیو دار کے یہ جنگل کیسے گھنے گھنے ہیں اور لکڑیوں سے اس کے آزاد گھر بنے ہیں
اس ملک کی زمینیں جتنی ہیں نیچی اونچی عزت ہمارے دل میں بے انتہا ہے انکی
رکھتی ہیں مست ہم کو اُن کی شمالی راتیں

اُتر کے بسنے والو، آزاد رہنے والو اپنے خدا کا دل سے اب شکریہ ادا ہو
اس ملک کی حفاظت ہر دم وہی کرے گا لب کی پکار کو بھی آخر وہی سُنے گا
یا رب بچاتے رہنا اُس کو کرم سے اپنے محفوظ ہوں ہمیشہ یعنی حقوق اُسکے
رکھتی ہیں مست ہم کو انکی شمالی راہیں
اتر کے ملک والو اُتر کے رہنے والو شکرانہ بھیجو اپنی آزادی کا خدا کو

ناروے کا قومی بھجن، وہاں کے مشہور شاعر بجورنس تجرن بجورن سن (۱۸۳۲-۱۹۱۰) نے تصنیف کیا تھا۔ یہ نظم پہلے پہل ۱۸۵۹ء میں برجین کے ایک اخبار میں نکلی تھی اور اس کی دھن رچرڈ نارد راک نے بنائی تھی۔

پولینڈ کا قومی ترانہ

جنرل بونا پارٹ نے جس وقت پہلی بار ۱۷۹۶ء میں اطالیہ پر حملہ کیا تھا

تو اس کے ساتھ ایک دستہ پولینڈ والوں کا بھی تھا اور اس کا کمیدان

"ڈوم براؤس کی" تھا۔ اسی دستے کے ایک افسر نے اس نظم کو لکھا

تھا۔ پولینڈ کی تیسری تقسیم ۱۷۹۵ء میں ہوئی تھی۔ اور پرانی بادشاہی

حکومت ختم ہو چکی تھی۔ جو وطن پرست بچ نکلے تھے، انہوں نے اُس

وقت بھی اپنے وطن کے دشمنوں کا سخت مقابلہ کیا تھا ان ہی وطن پرستوں

کی قربانی اور جوش نے اس نظم کو ہر دل عزیز بنا دیا ہے اور اب تک

یہ پولینڈ کا قومی ترانہ ہے۔

سپوت اس کے ہیں زندہ جبتک اس دُنیائے فانی میں

پولینڈ

سپوت اس کے ہیں زندہ جب تک اس دنیائے فانی میں
کبھی پولینڈ آسکتا نہیں بندِ غلامی میں ،
جو کچھ کھویا ہے اُس نے غفلتوں میں پھر نئے سر سے
ہم اپنی کوششوں سے اُس کو حاصل کر کے چھوڑینگے
بڑھا چل ہاں بڑھا چل ڈام بروسکی کوشش سے
ہمیں للہ پہنچا دے تو آزادی کی منزل پر   بس اب تو کٹ چکی ہیں ساری زنجیریں برابر سے
ملے گا ایک دن پولینڈ کو پیغام آزادی

آزادی تک پہنچا دے ہمیں
زنجیریں ساری کٹ جائیں
پولینڈ ضرور آزاد ہے

تاروں والانشان

ممالک متحدہ امریکہ

اس ترانے کا مصنف فرانسس سکاٹ کی ۱۷۷۹ء سے ۱۸۴۳ء تک اس
دُنیا میں رہا۔ اُس نے ۱۸۰۱ء میں وکالت شروع کی تھی۔ ایک مرتبہ وہ
برٹش بیڑے پر اپنے دوست کو چھڑانے کے لئے واشنگٹن گیا جو چیساپیک
کھاڑی (خلیج) میں لنگر ڈالے ہوئے تھا۔ وہاں اُسے اس لئے روک لیا
گیا کہ ایک قلعہ پر جو اپنا بچاؤ کر رہا تھا، گولہ باری کی جا رہی تھی۔ رات بھر
وہ سخت پریشان رہا۔ لیکن جب صبح کو اس نے قلعہ پر "تاروں والا جھنڈا"
لہراتے دیکھا تو بے اختیار اُس نے یہ نظم لکھ دی۔ یہ فوراً ہر زبان پر جاری
ہو گیا۔ اور خشکی اور تری کی فوجوں نے اسے اپنا ترانہ بنا لیا اور ۳ مارچ
۱۹۳۱ء تک اسکی موسیقی تیار ہو گئی اور ملوان ریاستوں کا قومی ترانہ بن گیا
اس سے پہلے ریاستوں کا ترانہ "امریکہ" تھا اور اُس کی دھن وہی تھی
جو برٹش قومی ترانے کی ہے اسی لئے اسے ترک کر دیا گیا۔

تاروں والا نشان

(امریکہ کی ملی ہوئی ریاستوں کا قومی ترانہ)

کوئی ہمیں بتا دے جھنڈا وہ تاروں والا — ہے دھندلی روشنی میں جو آنکھ کا اُجالا
آنکھوں کے سامنے ہے، کیا صورت اُس کی اب بھی؟ — نورِ شفق میں جس کو کل ہم نے دی سلامی؟
جس کی وہ چوڑی پٹی اور تابناک تارے — اس خوفناک شب میں شوکت سے اڑ رہے تھے
کرتے تھے پھٹ کے گولے ساری فضا کو روشن — اُس روشنی میں ہم کو ہوتا تھا اس کا درشن

کوئی بتا دے اب بھی لہرا رہا ہے جھنڈا
آزاد اور بہادر افراد کے وطن پر؟

ساحل سمندروں کی کہروں سے جو گھرا ہے — دشمن کا ہر سپاہی نخوت سے سو رہا ہے
کیا چیز ہے وہ کوئی سر کو اُٹھا کے دیکھے — آتا نظر ہے کچھ کچھ جھونکوں سے جو ہوا کے
وہ پڑ رہی ہے اُس پر پہلی کرن سحر کی — اب وہ چمک رہا ہے با شانِ دلربائی

جھنڈا ہے تاروں والا لہرائے یہ ہمیشہ
آزاد اور بہادر افراد کے وطن پر

پیارے وطن کی خاطر جب لوگ لڑ رہے ہوں — اور امن و کامیابی پر ناز کر رہے ہوں
اس وقت ہم ہوں اُس کی حمد و ثنا پہ مائل — جس نے ہمیں سلامت رکھا بنا کے یکدل
پائیں گے گر فتح مقصد انصاف ہے ہمارا — کلمہ ہمارا یہ ہے "حق پر ہے بھروسہ"

لہرائے گا یہ جھنڈا فتح و ظفر کو لے کر
آزاد اور بہادر افراد کے وطن پر

جرمنی کا قومی ترانہ

جرمن ترانہ چینی اور ایرانی ترانوں کی طرح بہت ہی سادہ ہے اور اپنی قومی تاریخ پر پوری روشنی ڈالتا ہے۔ شروع میں یہ ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہؤا تھا۔ رفتہ رفتہ ایسے لیڈر پیدا ہوئے جنہوں نے ماس سے میمل تک اور راٹنز سے دکھن تک سب کو ایک مضبوط زنجیر میں پرو دیا۔ اور آخر کار نازی پارٹی نے وہ سبق جو بسمارک نے شروع کیا تھا ہٹلر کی رہنمائی میں پورا یاد کر لیا۔ کہ جرمنی دنیا میں سب سے اونچی قوم ہے متحد ہے اور ایک ہے۔ یہ پہلے بند کی تعلیم تھی۔

دوسرے بند میں چار باتوں کو بتایا گیا ہے۔ جن سے انسانی زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے اور سوسائٹی کی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں۔ عورت سوسائٹی کی جان ہے۔ رسم رواج یعنی انسان کا سرم قانون، سائنس فلسفہ (درشن) دریا، جلیں سب کے متعلق جرمن خیال یہ ہے کہ وہ انسانی [illegible] قومی پیداوار ہیں۔ شاعر نے اسی بات کو اس ترانے میں ابھارا ہے۔ تیسری بات جرمن ترانے [illegible] ہے، اور چوتھی چیز جرمن گیت یا آرٹ ہے۔ ان دونوں سے زندہ دلی کے پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ لیکن ہر چیز میں جرمن ہونے کی شرط ہے۔

جرمنی میں ۱۸٦٠ء سے یہ ترانہ قومی ترانہ ہے۔ ۱۹۱۸ء کی لڑائی میں بھی

ترانہ تھا، اور ۱۹۳۹ء کی جنگ میں بھی اسی کو جرمن قوم نے جاری رکھا تھا۔

دواش لاند دواش لاند اوبر آلس

(جرمن قومی ترانہ)

جرمنی[۱] جرمن سب سے اُوپر
دنیا بھر میں سب سے برتر
ماس[۲] سے میمل[۳] تک مل جل کر
اے ڈر[۴] سے تا بلت[۵] سمندر
سارا ملک ہے بھائی بھائی
امن ہو، یا ہو جنگ لڑائی
جرمن، جرمن سب سے اُوپر
دنیا بھر میں سب سے برتر

جرمن عورت، جرمن ریتیں[۶]
جرمن بادہ[۷]، جرمن گیتیں
باقی رکھیں کل دُنیا میں
اپنی وہ آواز کہن
ساری عمر لگائیں ہم میں
اُونچے کاموں، ہوں کو تکو

جرمن عورت ، جرمن ریتیں
جرمن بادہ ، جرمن گیتیں

نوٹ :- ۱- جرمن اصل زبان میں دواش لاند ہے۔ جس کا ترجمہ جرمنی ہونا چاہیئے یہاں نظم کی وجہ سے جرمن کر دیا گیا ہے۔

۲- دریائے ماس (MASS) جرمن فرانسیسی سرحد پر ہے

۳- دریائے میمل (MEMEL) جرمن پولش سرحد پر ہے۔

۴- اے دِژ (ADIGE) الپس پہاڑ کی ایک اطالوی ندّی ہے۔ آج کل یہ اٹلی کے علاقے میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جرمنی میں آسٹریا اور جنوبی ٹائرول بھی شامل ہے۔

۵- بلت (BELT) وہ سمندر ہے جو جرمنی کے شمالی (اُتری) علاقے کو ڈنمارک کے جزیروں سے جدا کرتا ہے۔

۶- ریتیں یعنی رسمیں۔ اصلی جرمن میں عقیدہ (دھرم) یا دین ایمان کا لفظ ہے

۷- بادہ یعنی شراب یہ وہی لفظ ہے جو سنسکرت میں مدھ یا مادھا ہے۔

نشان یا جھنڈا

نشان یا جھنڈا

"نشان" پرانا ایرین لفظ ہے جو ہند یورپی زبانوں میں اِنسائن (ENSIGN) بن گیا ہے۔ عربی و جاوی میں اسے "رایہ" کہتے ہیں اور پنجابی میں جھنڈا۔

بہت پرانے زمانے میں مختلف دیوی دیوتاؤں کے استھانوں (آستانوں) پر پہچان یا پتے کے لئے نشان بنا دیتے تھے۔ اور نشان کو دروازے کے اوپر، یا مکان کی چوٹی پر بناتے تھے۔ تاکہ جاتری دور سے دیکھ کر اپنے دیوتا کے مندر میں چلا جائے۔

کافی زمانہ گذرنے کے بعد مندروں کے پروہتوں نے ان نشانوں کو اپنے اپنے گھروں پر لگانا شروع کیا۔ اور رفتہ رفتہ یہ اُن کے خاندانی نشان بن گئے۔ شروع میں ہر نشان اپنی قدرتی یا اصلی حالت ہی کسی ڈنڈے میں باندھ دیا جاتا تھا۔ مثلاً کسی کا نشان تلوار تھا، کسی کا کھجور کی شاخ، کسی کی علامت ... کسی کی گھاس۔ ایران میں جب کاوہ لوہار نے ضحاک کے ظلم کے خلاف بغاوت کی تھی۔ تو باغیوں نے کاوہ کے کارخانے کی دھونکنی کے چمڑے کو اپنا نشان بنا لیا تھا اور ... نشان کا ویانی لہراتا تھا۔ اُدھر باغی پہنچ جاتے تھے۔ اور اپنی جانیں اُس نشان کے لئے نہیں، اس نشان کے مقصد کے لئے لڑا دیتے تھے یہ مقصد ظلم سے آزادی اور عزت کی زندگی تھا۔

دنیا میں اب صرف دو مقام ایسے باقی رہ گئے ہیں، جہاں پر بہت یا معتم اپنے اپنے جھنڈے گاڑ دیتے ہیں، اور جو اُن کے ماننے والے ہیں۔ وہ میلے کی بھیڑ میں رستہ بھول کر جھنڈے کے پتے پر اپنے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک ہندوستان ہے اور

دوسرا عرب۔ آپ کسی مذہبی میلے میں جائیں خواہ وہ الہ آباد کے سنگم پر ہو، یا مکّے کے زمزم پر، ہر جگہ میلے کے دن آپ کو سینکڑوں رنگ برنگے جھنڈے نظر آئیں گے۔ اور جاتری اور حاجی کسی نہ کسی جھنڈے کو اپنا نشان بنائیں گے۔

پوجا اور بندگی کرنے والوں نے جب جنگ کے میدان میں قدم رکھا، تو ہر قبیلے یا فوجی دستے کا ایک پرچم بن گیا۔ اور چمڑے کی جگہ سوتی یا ریشمی کپڑے پر انکی علامتیں تصویروں کی شکل میں بننے لگیں۔ رستم نے بھی مُرغ کو اپنا خاندانی نشان بنایا۔ اور بہت سے قبیلوں اور بادشاہوں نے اپنی ہیبت کا اظہار کرنے کے لئے شیر، عقاب، گِدھ اور گینڈے کو پرچم پر لہرایا۔ پرانے نشان اب بھی باقی ہیں لیکن موجودہ دنیا میں شاید سب سے خوبصورت علامت، امریکہ کا تاروں والا جھنڈا ہے۔ ترکی کا ہلال اور جاپان کا سورج، انگلستان کے شیروں اور جرمنی کے عقابوں سے زیادہ خوشنما ہے کینیڈا نے گیہوں کی بالوں، روس نے ہتھوڑے اور درانتی، اور ہندوستان نے چرخے سے اپنی سوسائٹی کی حالت کو نمایاں کیا ہے اور سب کی یہ کوشش ہے کہ جنگ ہو یا امن، انکا جھنڈا ہمیشہ لہراتا رہے۔

قومی جھنڈے کی سلامی جائز ہے یا ناجائز

مکتوب گرامی حضرت مولانا ابوالکلام آزاد، صدر انڈین نیشنل کانگرس بنام سری شنکر راؤ دیو، ممبر کانگرس ورکنگ کمیٹی

کیمپ واردھا

۱۸ر جنوری ۱۹۴۱ء

مائی ڈیر شنکر راؤ

آپ لکھتے ہیں کہ ایک مسلمان دوست کو قومی جھنڈے کی سلامی میں شریک ہونے سے اس لئے انکار ہے کہ وہ کہتے ہیں، اسلام میں خدا کے سوا کسی چیز کے آگے سجدہ کرنا جائز نہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کے مسلمان دوست ایک سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اسلام میں خدا کے سوا اور کسی چیز کے آگے "سجدہ" کرنا جائز نہیں لیکن جھنڈے کی سلامی "سجدہ" نہیں ہے اور نہ کوئی معمولی عقل رکھنے والا آدمی ایک لمحہ کے لئے ایسا خیال کر سکتا ہے۔ جھنڈے کی سلامی کی رسم صرف اس لئے ادا کی جاتی ہے کہ اُس جھنڈے کی عزت کی جائے جسے ہم نے اپنا قومی نشان تسلیم کیا ہے۔ اس طرح کی سلامی کسی حال میں اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں ہے آج تمام اسلامی ملکوں میں لوگ قومی جھنڈے کی سلامی کیا کرتے ہیں۔ کیا اُن کی نسبت یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ جھنڈے کی پوجا کرتے ہیں؟ مجھے تعجب ہے کہ ایسا بے معنی خیال آپ کے دوست کے دماغ میں پیدا ہوا

(ابوالکلام آزاد)

حضرت مولانا نے جن سادہ اور صاف لفظوں میں یہ خط لکھا ہے وہ محتاج تشریح نہیں جس طرح مختلف خاندان، یا قبیلے اپنی مخصوص علامت کو سربلند رکھنا چاہتے ہیں، اُسی طرح قومیں بھی اپنے قومی وقار کی علامت یعنی جھنڈے کو اونچا رکھتی ہیں۔ اور اُس پر اپنی جان و دولت قربان کر کے اپنی عزت برقرار رکھتی ہیں جھنڈے کا کُھلا نا یا سلامی دینا یہ بات بتاتی ہے۔ کہ ہم اپنے قومی نشان کے پردے میں اپنی عزت و اپنی شان کو اونچا دیکھنا چاہتے ہیں اور جو لوگ اپنی عزت و شان کے اس معمولی مظاہرے کے لئے بھی تیار نہیں۔ انہیں اسلام کی اس بنیادی اور ابتدائی تقسیم کا علم نہیں ہے کہ انسان یا تو آزاد ہوتا ہے یا غلام۔ اگر آزاد ہے تو اس کا قومی نشان اور قومی شعار بھی ہوتا ہے اگر غلام ہے تو وہ دوسروں کے جھنڈوں کی سلامی پر فخر کرتا ہے لہٰذا کوشش کرنا چاہیئے کہ غلام بھی آزاد ہوں۔ ایک ہی آزاد جھنڈے کے نیچے جمع ہو سکیں۔ اور مساوات کا لطف اُٹھائیں۔

نشانِ سُرخ - لال جھنڈا

(رُوس)

بہت سُرخ ہے، عام لوگوں کا جھنڈا
شہیدوں کو اکثر اسی نے ہے ڈھانکا

سلامت رہے لال جھنڈا ہمارا
ہمارے شہیدوں کا تن جس نے ڈھانکا

پسِ مرگ اور سرد ہونے سے پہلے
لہو سے تہیں اس کی رنگیں کئے تھے

اُٹھاؤ کرو لال جھنڈے کو اُونچا
ہے سائے میں اسکے ہمیں جینا مرنا

پھر جسے بھاگنا ہو وہ غدّار بھاگے
ہم اب سُرخ جھنڈا رہیں گے اُڑا کے

فرانس اس سے کرتا ہے دل سے محبت
زبانوں پہ جرمن کے ہے اس کی مدحت

سبھی ماسکو میں ہیں گُن اس کے گاتے
شکاگو میں اکثر ہیں اس کو اُڑاتے

یہی دورِ اوّل میں لہرا رہا تھا،
ہر اک سمت ابرِ سیہ چھا رہا تھا

ہزاروں ہوئیں سامنے اس کے جنگیں
مناسب نہیں رنگ ہم اُس کا بدلیں

اسے دیکھ کر ہم کو وہ کامیابی
گذشتہ زمانوں کی ہے یاد آتی

چمکدار جھنڈا ہے سادہ نشاں ہے
یہ انسانی خوں کا نشاں بے گماں ہے

مگر آج - کمزور - بُزدل - کمینے
جو یہ چاہتے ہیں کہ مل جائیں عہدے

امیروں پہ ہیں منحصر جن کی اُمیدیں
یہ خواہش ہے اُن کی کہ سب کو جُھکا دیں

اُٹھاتے ہیں ہم سب حلف جان و دل سے
کہ اس جھنڈے کو لے کے آگے بڑھیں گے

ملے قید اس کے لئے یا ہو پھانسی،
ہمارا یہی گیت ہے الوداعی

ترنگا جھنڈا ہندُستان

پربھی بشوا ترنگا پیارا — جھنڈا اونچا رہے ہمارا

(۱) سدا شکتی برسانے والا — پریم محبت لانے والا
بیروں کو ہرسانے والا — اپنے وطن کا تن من سارا — جھنڈا اونچا رہے ہمارا

(۲) آزادی کے بھیشم رن میں — گھ کر بڑھے جوش چھن چھن میں
کانپے دشمن اپنے من میں — مٹ جائے ڈر سنکٹ سارا — جھنڈا اونچا رہے ہمارا

(۳) اس جھنڈے کے نیچے نیچے — لے کر ہم سوراج رہیں گے
ہندستان کی بولو اب جے — آزادی مقصد ہے ہمارا — جھنڈا اونچا رہے ہمارا

(۴) آؤ پیارے بیرو آؤ — اپنے وطن پر بل بل جاؤ
یہ گانا سب مل کر گاؤ — پیارا ہندوستان ہمارا — جھنڈا اونچا رہے ہمارا

(۵) اس کی شان نہ جانے پائے — جان ہی کیوں نہ ہماری جائے
آزادی جب منہ دکھلائے — تب ہووے گا وارا نیارا — جھنڈا اونچا رہے ہمارا

کچھ وطنی نظمیں

وطن

وطن عربی کا لفظ ہے، اور جو لوگ پرانے عربوں کی خانہ بدوش زندگی سے گہری جانکاری رکھتے ہیں۔ وہی اس لفظ کی تہ کو پہنچ سکتے ہیں عربوں کا خیمہ اُن کا وطن نہیں ہوتا تھا۔ نہ وہ ملک ہوتا تھا جس میں وہ پیدا تو ہوئے ہوں، لیکن اس کے اور چھور سے واقف نہ ہوں۔ اُن کا وطن اُن کا پورا قبیلہ تھا۔ قبیلے میں انسان ہی نہیں، جانور بھی ہوتے تھے۔ اونٹ، گھوڑے، کتے، بھیڑ، بکری، غلام اور آقا سب ایک خاندان کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ آج یہاں، کل وہاں، گرمی میں کہیں، جاڑوں میں کہیں پانی اور پانی کے ساتھ چراگاہوں کی کشش، عرب کی سرزمین کے کونے کونے کو اپنا بنا دیتی تھی۔ اُسکے ٹیلے، میدان، جانور، کھنڈر، پانی اور گھاس کے منظر اُن کی زندگی کی کسی نہ کسی کیفیت سے لگاؤ رکھتے تھے! اپنے جانوروں کو زندہ رکھنے کے لئے پانی اور چراگاہ پر دوسرے قبیلوں سے تلواریں چلتی تھیں۔ یہیں بھولے بھٹکے مسافروں سے اچانک ملاقات بھی ہو جاتی تھی۔ اور بیرونی دنیا کے قصے پورے "وطن" میں جذبات کی لہریں پیدا کر دیتے تھے۔ ان ہی ریگستانوں کی سنہری ریت پر ان کی محبت کے نقش بنتے تھے۔ اور اتنے گہرے ہوتے تھے کہ بادِ سموم کے جھونکے بھی اُن کو نہ مٹا سکتے تھے۔ غرضیکہ زمین کا وہ خطہ اُن کا قبیلہ اور قبیلے کی روایتیں سب مل جل کر جو محبت

کی لہریں پیدا کرتی تھیں وہ عربوں کے نزدیک سوائے وطن کے لفظ کے، اور کسی چیز سے ادا نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ وطن محبت کا گھر تھا اسی لیئے وطن کی محبت ایسی چیز تھی جس کا کوئی ایک سبب نہیں بتایا جا سکتا۔ پھر بھی ابن الرومی پہلا عرب شاعر ہے۔ جس نے حبِّ وطن کا سبب بتایا ہے۔

(نویری:۔ نہایت الارب۔ فی فنون العرب ج۔ ۱۔ ص ۴۱۵):۔

وَلی منزلٌ اٰلیتُ اَن لّا ابیعہٗ — وَان لا اَریٰ غیری لہ الدّھر مالکا

(ترجمہ) میرا ایک گھر ہے جس کے لئے میں نے عہد کیا ہے کہ کبھی نہ بیچوں گا اور اپنے سوا کسی غیر کو اُس کا مالک ہرگز نہ دیکھوں گا۔

عھدت بہ شرخ الشباب ونعمۃً — کنعمۃ قوم اَصبحوا فی ظلالکا

(ترجمہ) میں نے اپنی جوانی کی دولت یہیں حاصل کی اور یہ ایسی راحت ہے جو ہر قوم کو تیرے ٹھنڈے سائے یاد دلاتی ہے۔

فقد الفتہ النفسُ حتّیٰ کانّہٗ — لھا جسدٌ ان غاب غودرتَ ھالکا

(ترجمہ) میری روح کے لئے وہ جسم بن گیا ہے اگر وہ نہ رہے تو میں فوراً مر جاؤں۔

وَحبّب اَوطانَ الرّجالِ الیھم — مَاٰربُ قضّاھا الشبابُ ھُنالِکا،

(ترجمہ) وطن کی محبت لوگوں کو کیوں ہوتی ہے؟ محض اس لئے کہ وطن اُن حسن وعشق کے قصوں کو یاد دلاتا ہے جو جوانی میں وہاں سنے گئے تھے۔

اذا ذکروا اوطانھم ذکّرتھم — عھود الصّبا فیھا فحنّوا لذالکا

(ترجمہ) اگر وطن کا نام آ جاتا ہے تو فوراً بچپن کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور اسکی یاد سے آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں۔

اور سچ تو یہ ہے، کہ دنیا کی کسی زبان میں کوئی لفظ عربی سے زیادہ وطن کے پورے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا۔ کہیں وطن کو "باپ" کہیں "ماں" کہیں "ملک" کہیں "پیدا ہونے کی زمین" کہتے ہیں لیکن "وطن" وطن ہی ہے اور اپنی پوری خوبیوں کے ساتھ سب سے اچھوتا اور پیارا لفظ ہے۔

میرا وطن

میں سوچتا ہوں جب انجامِ غفلتِ دنیا ، کہ زندہ قوموں کو کس نے بنا دیا مردہ
جو تھے بلند خیالات ، ہو گئے کیوں پست ، کہ چھتری بھی نظر آ رہا ہے بنیا
بھکاری بن گئے عالم بھی مال و دولت کے ، قلم کا کام بھی رہ گیا ، لکھے کھاتا ،
تو اے عزیز وطن دل میں ٹیس اٹھتی ہے ، طرح طرح کے خیالات ہوتے ہیں پیدا
یہ سوچ سوچ کے آتی ہے مجھ کو شرم اکثر ، جو پوچھو سچ تو ندامت میری نہیں بیجا
ہمارا فرض یہ ہے دل سے تیری قدر کریں ، کہ تو ہی دہر میں انسانیت کا ہے ماوا
معاف کر مجھے پیارے ، مرے عزیز وطن ، کہ تیری چاہ میں کچھ ہو رہا ہوں اندھا سا
نہیں یہ بات تعجب کی اے عزیز وطن ، کہ تیرے عشق میں گم ہو گئے شاعرِ عزا

کہے وہ بات جو ہو سادہ اور معنی خیز
کہ عاشقوں کا طریقہ ہے کھیل بچوں کا ،

(ایک مغربی شاعر)

میرا وطن

میں وہ زمین ہوں جو نیکیوں کا ہے ماوا ۔۔۔ مجھی میں رہتے تھے تم سب کے باپ اور دادا
میں اپنے بچوں کو واپس وطن میں لاؤں گی ۔۔۔ پھر اُن کو لا کے میں سکھ چین سے سلاؤں گی
وہ اجنبیوں کی صورت میں واپس آئیں گے ۔۔۔ مگر یہاں سے وہ پھر کبھی نہ جائیں گے
ہر ایک پہ اُن کے پرانے درختوں کی شاخیں ۔۔۔ سُنا رہی ہیں وہ جادو بھری عجب باتیں
میں کھینچ لیتی ہوں اُن سب کو گود میں اپنی ۔۔۔ اور اپنی موسمی بارش سے دیتی ہوں لوری
ہزار سال کی تاریخ پھر سُناتی ہوں ۔۔۔ علوم سارے زمانے کے پھر سکھاتی ہوں

جہاں یہ لطف و عنایات اُن پہ کرتی ہوں
میں اُن کی آنکھوں کو بھی آنسوؤں سے بھرتی ہوں

روڈیارڈ کپلنگ

جب دُنیا حسین ہو جائے گی

(از ولیم مارس)

بس اب وہ زمانہ قریب آ رہا ہے
کہ مِل جائے گی ہم کو نایاب دولت

کسی کا نہ دولت سے ہوگا یہ مقصد
کہ اپنوں کو لے مول اُسے جمع کر کے

بنائے غلام اپنے ہی دوستوں کو
اور اُن کو ہر اک قسم کی دے اذیّت

نہیں ہوگا یہ بلکہ ایک شہر ہوگا
ذرا سی پہاڑی پہ گھر مختصر سا،

ہر ایک سمت جنگل کا وہ حُسن ہوگا
وہاں اپنے کھیتوں کو جوتا کریں گے

کہے جائیں گے گھر میں قصّے پرانے
وہاں ہوں گی مضبوط مردوں کی قبریں

جو ہیں عقل والے ہمیشہ رہیں گے
عجب اور نئی چیز کی جستجو میں

انھیں لوگوں میں چند شاعر بھی ہونگے
مصور جو حیرت میں ڈالیں گے سب کو

وہ "لے" جو زمانے کو بیخود بنا دے
وہ سب ہونگے رکھتے ہیں جو علم و محنت

مگر ہاں یہ سب چیزیں ہوں گی ہماری
ہماری نہیں بلکہ ہر آدمی کی

نہ کم ہوگا ہرگز کسی کا نہ زیادہ
ہر ایک کو برابر کا حصّہ ملے گا،

بتائیں یہ کب ہوگا جس وقت دُنیا
بنے گی حسین اور دلچسپ صُورت

آزادی ہے جانِ وطن

از محمد اجمل خاں

(بروزن ترانۂ ترکی)

آزادی ہے جانِ وطن
سُن لو یہ فرمانِ وطن
اے مردِ میدانِ وطن
ہو جا تو قربانِ وطن

آزادی ہے جانِ وطن

تکبیروں کے نعروں میں
بھارت کے جیکاروں میں
میداں میں کہساروں میں
پھیلی ہے آوازِ کہُن

آزادی ہے جانِ وطن

بروزن ترانہ ترکی:- دا اُر دو ما سے تی ایمن)

میرا وطن

(از والٹر دو لا مارے)

کوئی نہیں جہاں میں ایسی حسین پہاڑی   راحت دماغ و دل نے جس سے ہو میرے پائی

دنیا کی خوبصورت دلچسپ وادیوں میں   ہے وہ کہاں مسرت جو ان پہاڑیوں میں

وہ دوپہر کا سورج تپتی ہوئی شعاعیں   باقی ہے روح تسکیں تیرے ہی جنگلوں میں

ہے یہ سکون اپنا ایک خواب کی طرح کا

تیرے سمندروں کی وہ خوش ادا روانی   چھائے ہوئے فضا پر وہ ابر آسمانی

تجھ میں غرض ہزاروں دلچسپیاں نہاں ہیں   دنیا میں تیرے جیسی رعنائیاں کہاں ہیں

دل کو میرے خیالی فرقت بھی ہے مصیبت   اے کاش خاک تیری ہو اور میری تربت

تیری زمیں ہی ہو میرے لئے اندھیرا

ہمارے فانی خواب کو پیدا کرنے والا..... وطن

(از سر ہنری نیوبولٹ)

طوفان جا چکا ہے موجیں رواں دواں ہیں کیسی چمک رہی ہیں
تیزی سے جا رہی ہے اُتر کو اپنی کشتی جیسے کہ بلبلہ ہو،
کل رات کا وہ طوفاں، جو دل ہلا رہا تھا، اب یاد تک نہیں ہے
پہرے کی لمبی گھڑیاں اب سب گذر چکی ہیں اور تھم چکا ہے طوفاں
لو سامنے ہے اپنے وہ دُور اب نہیں ہے کشتی کو تیز کر دو
وہ آرزو کا مرکز وہ صبح کی جھلک ہے ہلکی سی روشنی میں
دھندلے سے وہ کنگڑے ایسے نظر ہیں آتے رقصاں ہوں جیسے گھتنے
نرمی پرانے غم میں، ہوتی ہے جس طرح سے، وہ بات اُس میں پائی
روشن پرانی شہرت ہوتی ہے جس طرح سے، وہ روشنی ہے اُس میں
مٹ جانے والی اپنی تھیں آرزوئیں جو کچھ، وہ سب وہاں سے اُبھریں
بچپن ہمارے سارے پیدا جہاں ہوئے تھے وہ سامنے ہے دیکھو

کیا یہ ترا وطن ہے!
میرا بھی وطن ہے!
میرا ہی چمن ہے!